O.K.
Press Copy

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُردو کی چھٹی کِتاب

چھٹی جماعت کے لیے



پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ۔ لاہور

تیار کردہ : پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور   منظور کردہ : حکومت پنجاب (محکمہ تعلیم) لاہور
بمطابق مراسلہ نمبر ایس۔او (سی) تعلیم ۷۳/۸/۱۰ مورخہ ۷۴/۱۱/۲۰
نظر ثانی شدہ و منظور کردہ قومی ریویو کمیٹی
وفاقی وزارت تعلیم و صوبائی رابطہ (شعبۂ نصاب) حکومت پاکستان۔ اسلام آباد

مصنّفین

سیّد وقار عظیم (مرحوم) کنوینر
ڈاکٹر اصغر علی شیخ
چودھری نذیر احمد
مسز نسیم ملک
ڈاکٹر آئی اے ارشد

نسرین

مدیر و نگرانِ طباعت

محمّد عبد المجید یزدانی (پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ)

پرنٹر : عالمین پبلیکیشنز پریس، ۲۲/۱۰ ریٹیگن روڈ، ہجویری پارک، لاہور

نظر ثانی / تدوین طباعت نو
راجا رشید محمود (پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ)

اُردو کی چھٹی کتاب

چھٹی جماعت کے لیے

نوٹ: کتاب میں ہر جگہ انگریزی ہندسے (1، 2، 3، 4 ۔۔۔) استعمال ہوئے ہیں۔



پنجاب ٹیکسٹ بُک بورڈ ۔ لاہور

فہرست مضامین

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

۱۔ حمد

حُدایا تری قدرتیں جلوہ گر ہیں
تری صنعتوں سے بھرے بحر و بر ہیں
صدف سے کیے تُو نے گوہر ہویدا
کیے لعل و یاقُوت پتھر سے پیدا
درختوں میں پھل پھُول تُو نے لگائے
کہ پھر وہ نہ جامے میں پھولے سمائے
گُلوں سے کہیں تُو نے گلشن سجایا
کہیں تُو نے صحرا میں سبزہ جمایا
پتا تیرا ہر برگ بتلا رہا ہے
تری شان ہر نخل دکھلا رہا ہے
کھلائے ہیں وہ پھُول تُو نے چمن میں
کہ ہر اک نرالا بنا بانکپن میں
گل و برگ پر دیکھ شبنم کے قطرے
نِگہ کہہ رہی ہے کہ موتی ہیں بکھرے
تماشے یہ سب ہیں تری قدرتوں کے
یہ سب روپ ہیں تیری ہی صنعتوں کے
کوئی شے نہیں تیرے جلوے سے خالی
وہ موجود ہو یا ہو شکلِ خیالی

(مُنشی محمّد راضی مختار)

مشقیں

۱۔ جواب دیجیے:

(i) شاعر نے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا ذکر بہت سی مثالیں دے کر کیا ہے، اِن میں سے چار مثالیں اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔

(ii) شکلِ خیالی کسے کہتے ہیں؟

(iii) گوہر، لعل اور یاقُوت کس طرح پیدا ہوتے ہیں؟

۲۔ مندرجہ ذیل الفاظ و محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

جلوہ گر۔ جامے میں پھولے نہ سمانا۔ نرالا۔ پتا بتلانا۔ موجود۔

۳۔ پانچویں اور ساتویں شعر کا مطلب اپنی کاپی میں لکھیے۔

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی پہلی بیوی تھیں ان کے پاکیزہ اخلاق کی وجہ سے لوگوں نے انھیں "طاہرہ" کا لقب دیا اور وہ اسی نام سے مشہور ہوئیں۔ حضرت خدیجہؓ مکّے کے ایک رئیس خویلد بن اسد کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کے والد اپنے قبیلے کے نہایت معزز شخص اور بہت بڑے تاجر تھے۔ وہ اپنا مالِ تجارت دُور دراز علاقوں میں بھیجا کرتے تھے۔ والد کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اپنے والد کا کاروبار سنبھالا۔ وہ کسی آدمی کو سامانِ تجارت دے کر تجارتی قافلے کے ساتھ روانہ کر دیتیں۔ قافلے کی واپسی پر حساب کتاب ہو جاتا اور فریقین کو منافع مل جاتا۔ اسی طرح یہ کاروبار چلتا رہا لیکن اس غرض کے لیے وہ ہمیشہ کسی ایسے دیانت دار اور خوش معاملہ آدمی کی تلاش میں رہتیں جو مکمل طور پر قابلِ اعتماد ہو۔ آخر انھیں اپنے کاروبار کے لیے ایک ایسی ہی دیانت دار ہستی مل گئی۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تھے۔ آپؐ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ رہتے تھے اور ان کی رفاقت میں آپ نے تجارت کی خاصی سُوجھ بُوجھ حاصل کر لی تھی۔ آپؐ کی صداقت، دیانت اور حُسنِ معاملہ کا چرچا ہر ایک کی زبان پر تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے بھی آپؐ کی شہرت سُنی تو آپؐ کے پاس پیغام بھیجا اور کہلوایا کہ "اگر آپ میرا سامانِ تجارت بھی اپنے ہمراہ لے جایا کریں تو دوسروں سے دوگنا معاوضہ آپ کو دوں گی۔" حضورؐ نے اپنے چچا ابوطالب سے مشورہ کیا اور معاملہ طے ہو گیا۔ آپؐ مال لے کر ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت خدیجہؓ کا ایک عزیز خزیمہ اور ایک غلام میسرہ بھی ہمراہ تھے۔ اس مرتبہ مالِ تجارت میں دوگنا نفع ہوا۔

حضرت خدیجہؓ نے دونوں آدمیوں سے سفر کا حال پوچھا تو دونوں نے حضورؐ کے عُمدہ اخلاق اور نیک اطوار کی بے حد تعریف کی۔

حضرت خدیجہؓ نے اپنی سہیلی نفیسہ کے ذریعے حضورؐ کو شادی کا پیغام بھجوایا تو آپؐ نے اپنے چچا ابوطالب کی رائے سے منظور کر لیا۔ شادی کے بعد حضرت خدیجہؓ نے دیکھا کہ حضورؐ یتیموں، غلاموں، بیواؤں اور غریبوں کی امداد فرماتے ہیں تو اپنی تمام دولت حضورؐ کے قدموں میں ڈال دی تاکہ حضورؐ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر سکیں۔ حضرت خدیجہؓ نے دیکھا کہ حضورؐ سادہ زندگی پسند فرماتے ہیں تو بغیر کسی حیل وحجّت کے خُود بھی سادہ اور معمولی زندگی اختیار کر لی۔ جو رقم حضرت خدیجہؓ اپنی ذاتی

آسائش پر خرچ کیا کرتی تھیں وہ اب خلقِ خدا کے کام آنے لگی۔ حضرت خدیجہؓ لونڈیوں اور غلاموں کے ہوتے ہوئے بھی حضورؐ کی خدمت خود کرنے میں فخر اور خوشی محسوس کرتی تھیں۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی کے پندرہ سال بعد اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو نبوّت کے منصب پر سرفراز فرمایا۔ غارِ حرا میں پہلی بار جب آپؐ پر وحی نازل ہوئی تو آپؐ پر کپکپی طاری ہو گئی گھر آکر لیٹ گئے اور فرمایا: "مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو۔" جب دل ذرا قابو میں آیا تو حضرت خدیجہؓ سے اس کا ذکر کیا۔ انھوں نے آپؐ کو تسلّی دی اور کہا کہ آپؐ غریب نواز اور یتیم پرور ہیں، صداقت اور دیانت آپؐ کا شعار ہے، آپؐ فقیروں اور مسکینوں کی امداد فرماتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور حق و انصاف سے کام لیتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالےٰ آپؐ کا ساتھ ہرگز نہ چھوڑے گا۔

حضورؐ کو نبوّت عطا ہوئی تو حضرت خدیجہؓ سب سے پہلی عورت تھیں جو مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب توحید کا اعلان کرنے کا حکم اپنے رسولؐ کو دیا تو کفارِ مکہ آپؐ کے خلاف ہو گئے۔ وہ آپؐ کو اپنے مقصد سے باز رکھنے کے لیے طرح طرح کی اذیّتیں دیتے، راہوں میں کانٹے بچھاتے اور کچھ نہ بن پڑتا تو طعن و طنز کرنے لگتے۔ حضورؐ جب گھر لوٹتے تو حضرت خدیجہؓ آپؐ کا چہرۂ مبارک دیکھ کر آپؐ کے رنج و غم کا اندازہ لگا لیتیں۔ فوراً آپؐ کی ڈھارس بندھاتیں، دلجوئی کرتیں اور ایسی باتیں کرتیں کہ حضورؐ کا غم دُور ہو جاتا۔

اسلام کی مخالفت میں کفارِ مکہ نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ان کی تمام کوششیں رائیگاں جا رہی ہیں تو انھوں نے مل کر ایک منصوبہ بنایا۔ یہ کفّار کا آپس میں معاہدہ تھا، جس میں رسولِ پاکؐ اور ان کے خاندان والوں سے ہر طرح کا لین دین، ملنا جُلنا، خرید و فروخت اور ہر قسم کے تعلّقات کے خاتمے کا اعلان تھا۔ یہ معاہدہ لکھ کر کعبے کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ اب آپؐ کے لیے مکّے میں رہنا ناممکن ہو گیا۔ چنانچہ آپؐ کے پُورے خاندان نے ایک گھاٹی میں جس کا نام شعب ابوطالب تھا، پناہ لی۔ کفّار نے گھاٹی کی ناکا بندی کر دی۔ کھانے پینے کی کوئی چیز وہاں نہ پہنچ سکتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں کبھی کبھی درختوں کے پتّے اور چھڑیں کھا کر پیٹ بھرنا پڑتا تھا۔ حضرت خدیجہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کی جانے والی ہر سختی اور ہر تکلیف میں ان کی شریک رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان تین سال تک شعب ابو طالب میں رہا۔ وہاں سے واپسی کے کچھ عرصے بعد حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا۔ جب انھیں دفن کیا جانے لگا تو رسول اللہؐ خود ان کی قبر میں اُترے اور اپنے ہاتھ سے یہ کام انجام دیا۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات حضورؐ کی ہجرت سے تین سال پہلے واقع ہوئی۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت خدیجہؓ کے سالِ وفات کو "سالِ غم" کہا ہے۔ اس لیے کہ ان کی وفات کے بعد قریش نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اور زیادہ بے رحمی اور بے باکی سے ستانا شروع کردیا تھا یہاں تک کہ آپؐ کو اہلِ مکہ سے نا اُمید ہو کر طائف تشریف لے جانا پڑا۔

حضورؐ نے حضرت خدیجہؓ کے متعلق فرمایا ہے: "خدیجہؓ اس وقت ایمان لائیں جب لوگ مجھے جھٹلاتے تھے اور انھوں نے مجھے اس وقت اپنا مال، اقامتِ دین کے لیے دیا جب لوگ مجھے مال دینے کے لیے تیار نہ تھے۔" حضرت خدیجہؓ مکّے کے قریب کوہِ حجون میں واقع قبرستان میں دفن ہیں۔

مشقیں

۱. جواب دیجیے:

(i) لوگوں نے حضرت خدیجہؓ کو "طاہرہ" کا لقب کیوں دیا تھا؟

(ii) حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ کو اپنا شریکِ کار بنانے کی خواہش کیوں کی تھی؟

(iii) حضرت خدیجہؓ نے اپنی ساری دولت حضورؐ کے قدموں میں کس لیے ڈال دی تھی؟

(iv) حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ سے یہ بات کیوں کہی تھی کہ "اللہ تعالیٰ آپ کا ساتھ نہیں چھوڑے گا"؟

(v) آنحضرتؐ کا مکّے میں رہنا ناممکن کیوں ہو گیا تھا؟

۲. ذیل کے جملوں میں خالی جگہوں کو پُر کیجیے:

(i) آپؐ کی صداقت، دیانت اور حسنِ معاملہ کا .... ہر ایک کی زبان پر تھا۔

(ii) حضرت خدیجہؓ نے اپنی ساری دولت حضورؐ کے .... میں ڈال دی۔

(iii) غارِ حرا میں حضورؐ پر پہلی .... نازل ہوئی۔

(iv) حضرت خدیجہؓ کا مقصد رسولِ خدا کی .... حاصل کرنا تھا۔

(v) حضرت خدیجہؓ سب سے پہلی عورت تھیں جو.......... ہوئیں۔

۳. جامد اُس اسم کو کہتے ہیں جس سے نہ تو کوئی لفظ نکلے اور نہ وہ کسی سے نکلا ہو۔ مثلاً ہاتھی۔ ڈھال وغیرہ مصدر وہ کلمہ ہوتا ہے جس سے فعل اور صیغے مشتق ہوں۔ اور مشتق وہ اسم ہے جو کسی دوسرے کلمے سے بنایا جائے۔ مثلاً پڑھنا سے پڑھنے والا، پڑھا ہوا۔ ٹوٹنا سے ٹوٹنے والا۔ ٹوٹا ہوا۔ آپ نے ابھی جو سبق پڑھا ہے اس میں سے چند اسم مشتق چُن کر اپنی کاپی میں لکھیے۔

۳۔ یومِ پاکستان

مارچ کا مہینا ہے۔ شہر لاہور میں اقبال پارک کے وسیع اور خوبصورت سبزہ زار میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ٹھیک اس جگہ پر جہاں آج مینارِ پاکستان ہے، سٹیج بن رہا ہے۔ سٹیج کے پس منظر میں بڈھا راوی دکھائی دے رہا ہے۔ سامنے شاہی مسجد کے مینار اسلام کی صداقت اور سربلندی کا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ بائیں جانب قلعۂ لاہور مغلوں کے عظیم عہد کی یاد تازہ کر رہا ہے۔ شاہی مسجد کے پہلو میں شاعرِ مشرق حضرت علامہ اقبال آرام فرما ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کو انھی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر مسلم لیگ کے اس تاریخی اجلاس کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ شہر میں مسلمانوں کے محبوب رہنما حضرت قائدِ اعظم کی آمد آمد ہے۔ ان کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ لوگوں نے ایسا جلوس نکالنے کا انتظام کیا ہے جس سے مسلم لیگ کی قوت اور اتحاد کا بھرپور مظاہرہ ہو اور حکومت اور ہندو کانگرس دونوں پر یہ واضح ہو جائے کہ مسلمانوں کو حضرت قائدِ اعظم کی قیادت پر پورا پورا اعتماد ہے۔ آخر ۲۱ مارچ ۱۹۴۷ء کو قائدِ اعظم لاہور پہنچے۔

مسلم لیگ کے سالانہ جلسے پہلے بھی ہوتے رہتے تھے لیکن یہ اجلاس خاص اہمیت رکھتا ہے۔ پنڈال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ ملک بھر کے مسلمانوں کے رہنما دُور دراز کا سفر طے کر کے اس اجلاس میں شرکت کے لیے تشریف لائے ہیں۔ لوگ اپنے قائد کو ایک نظر دیکھنے کے لیے بے چین ہوئے جاتے ہیں۔ لیجیے! قائدِ اعظم مسلم لیگ کے کارکنوں اور رضاکاروں میں گھرے ہوئے تشریف لے آئے۔ جلسہ گاہ نعرۂ تکبیر اور قائدِ اعظم زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔ قائدِ اعظم کرسیٔ صدارت پر رونق افروز ہوئے تو جلسے کی پہلی نشست کی کارروائی تلاوتِ کلامِ پاک سے شروع ہوئی اور آخر وہ مرحلہ آ پہنچا جس کا ہر ایک کو اشتیاق تھا۔ حضرت قائدِ اعظم اپنا خطبۂ صدارت پڑھنے کے لیے مائیکروفون کے سامنے آئے اور فضا ایک مرتبہ پھر اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔ قائدِ اعظم نے ارشاد فرمایا کہ "مسلمانوں کو محض ایک اقلیت سمجھنا غلط ہے۔ مسلمان ہر اعتبار سے ایک مستقل قوم ہیں، اور ایک قوم کے لیے لازم ہے کہ اس کا اپنا وطن ہو، علاقہ ہو، ریاست ہو۔ برِّصغیر میں ایک نہیں دو بڑی قومیں آباد ہیں، ہندو اور مسلمان۔ دونوں کا مذہب الگ ہے۔ ان کی معاشرت الگ ہے۔ وہ ایک دوسرے

کے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھاتے۔ ان کا ادب، ان کی تاریخ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ دو ایسی قوموں کو جو ہر اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوں، ایک آئین اور ایک نظامِ سلطنت میں جمع کر دینا خانہ جنگی کو دعوت دینا ہے۔"

قائدِ اعظم نے حکومت کو خبردار کیا کہ مسلمانوں کو ایسا کوئی آئین قبول نہیں ہوگا جو ان کے مشورے اور منظوری کے بغیر بنایا جائے۔ وہ کسی ایسے منصوبے کو نہیں مانیں گے جس میں مُسلمان ہندو اکثریت کے محکوم بن کر رہ جائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ مُسلم اکثریت والے صوبوں میں اپنی مرضی کی حکومت قائم کر سکیں۔

قائدِ اعظم نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ دوسروں پر بھروسا کرنے کی بجائے اپنی قوّتِ بازو پر اعتماد کریں اور آزادی حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیے تیّار رہیں کہ آزادی محض دلائل سے حاصل نہیں ہوتی۔ قائد اعظم کی تقریر ختم ہوئی تو پنڈال تالیوں سے گونج اٹھا۔ ہر طرف اللہ اکبر کی صدا تھی۔ لوگوں کو قائدِ اعظم کی تقریر میں اس خواب کی تعبیر نظر آئی جو علامہ اقبال نے کئی برس پہلے دیکھا تھا۔

قائد اعظم کی ابتدائی تقریر میں اگرچہ پاکستان کے مطالبے کے واضح اشارے موجود تھے لیکن ابھی یہ تجویز قرارداد کی صُورت میں پُوری طرح سامنے نہ آئی تھی۔

آخر ۲۳ مارچ کی سہانی صُبح طلوع ہوئی اور پہلے دن کی طرح آج بھی پنڈال لوگوں سے بھر گیا۔ پُوری قوم آج کے اجلاس میں پیش ہونے والی قرارداد کی منتظر تھی۔ اتنے میں شیرِ بنگال مولوی فضل الحق سٹیج پر تشریف لائے اور وہ تاریخی قرارداد پیش کی جس کے نتیجے میں پاکستان دُنیا کے نقشے پر ایک اسلامی مملکت کی حیثیت سے اُبھرا اور مسلمانوں کو ایک آزاد وطن عطا ہوا۔ اس قرارداد میں یہ تجویز کیا گیا تھا کہ اس ملک کے ان علاقوں کو جن میں مُسلمانوں کی اکثریّت ہے یک جا کر کے مسلمانوں کی ایک آزاد ریاست قائم کر دی جائے۔

اس قرارداد کے منظور ہوتے ہی جہاں مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے وہاں ہندو کانگرس کی طرف سے اس کی زبردست مخالفت شروع ہو گئی۔ لیکن جوں جوں مخالفت بڑھتی گئی مسلمانوں کے قدم اور حوصلے بلند تر ہوتے گئے۔ بوڑھے، جوان، مرد، عورت سبھی نے مل کر پاکستان کے لیے زور لگایا۔ کیا گھر اور کیا مدرسہ کیا شہر اور کیا گاؤں ہر جگہ سے ایک ہی نعرہ بُلند ہوتا تھا اور وہ تھا پاکستان حاصل کرنے کا نعرہ۔ سبھی نے مل کر یہ عہد کیا کہ وہ پاکستان حاصل کرنے کے لیے قُربانیاں دیں گے۔ یہ قربانیاں وقت آنے پر انھوں نے دیں جو اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوئیں اور پاکستان بن گیا۔

پاکستان اگرچہ چودہ اگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آیا لیکن ہماری آزادی کی تاریخ میں ۲۳۔ مارچ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے کہ یہی وہ دن ہے جب پاکستان کے قیام کی قرارداد منظور ہوئی اور یہی وہ دن ہے جب پوری قوم نے مل کر یہ عہد کیا تھا کہ وہ حضرت قائدِ اعظم کی قیادت میں ایک الگ اسلامی مملکت قائم کر کے رہیں گے اور وہ ایسی مملکت ہوگی جس میں مسلمان اسلامی شریعت اور اسلامی تہذیب کے مطابق زندگی بسر کر سکیں گے۔ اس اہمیت کے پیشِ نظر ہم ہر سال ۲۳ مارچ کو یومِ پاکستان مناتے ہیں اور یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم اپنے ملک کے تحفظ اور اس کی آزادی و بقا کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ اس دن ہم یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم اس نظریے کی بھی حفاظت کریں گے جس کی بنیاد پر پاکستان وجود میں آیا، اس لیے کہ اس نظریے کی سلامتی میں پاکستان کی سلامتی ہے۔

مشقیں

۱۔ ذیل کے جملوں کا مطلب لکھیے:۔

(i) قلعۂ لاہور مغلوں کے عظیم عہد کی یاد تازہ کر رہا ہے۔

(ii) آزادی محض دلائل سے حاصل نہیں ہوتی۔

(iii) اس نظریے کی سلامتی میں پاکستان کی سلامتی ہے۔

۲۔ مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس کب منعقد ہوا؟ اس اجلاس کو تاریخی کیوں کہتے ہیں؟

۳۔ قائدِ اعظم نے یہ بات کیوں کہی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک آئین اور نظامِ سلطنت میں جمع کر دینا خانہ جنگی کو دعوت دینا ہے؟

۴۔ اکثریت اور اقلیت کے معنی کیا ہیں؟

۵۔ ذیل کو جملوں میں استعمال کیجیے:

آرام فرما، تشریف آوری، اتحاد، زور شور، دُور دراز، رونق افروز۔

۶۔ اسم جامد کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک اسم جامد خاص اور دُوسرا اسم جامد عام۔ اسم جامد خاص کو اسم معرفہ اور اسم جامد عام کو اسم نکرہ بھی کہتے ہیں۔ مثلاً احمد، حامد، عبد اللہ، کراچی، لاہور، پاکستان، چین اسم جامد خاص یا اسم معرفہ ہیں اور دریا، درخت، مدرسہ، کاپی، دوات، استاد شہر وغیرہ اسم جامد عام یا اسم نکرہ ہیں۔ اس سبق میں سے سات اسم معرفہ چُن کر اپنی کاپی میں لکھیے۔

جو کہو وہ کرو

احمد کے ابّا ہر جگہ اور ہر بات میں اپنے بچّوں کو کوئی نہ کوئی اخلاقی سبق سکھانے کا موقع ضرور پیدا کر لیتے ہیں۔ اس کے لیے وہ صرف وعظ و نصیحت سے کام نہیں لیتے بلکہ اپنے عمل سے اچھّے کاموں کی ترغیب دیتے ہیں۔ وہ اپنے بچّوں کو محض زبان سے محنت کی تلقین نہیں کرتے بلکہ خود محنت کا نمونہ پیش کر کے انھیں محنت کا عادی بناتے ہیں۔ وہ اپنا بہت سا وقت مطالعے میں صرف کرتے ہیں تاکہ بچّوں میں مطالعے کا شوق پیدا ہو۔ بچّوں کو صبح سویرے اٹھنے کا عادی بنانے کے لیے وہ خود بھی اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ صبح کی نماز مسجد میں باجماعت ادا کرتے ہیں اور پھر سیر کو نکل جاتے ہیں۔ راستے میں اگر کوئی پتھر یا اینٹ پڑی نظر آئے تو فوراً جھک کر اٹھا لیتے ہیں اور اسے سڑک کے ایک کنارے پھینک دیتے ہیں۔ راستے میں بڑا ملے یا چھوٹا وہ ہمیشہ سلام میں پہل کرتے ہیں۔ یہی باتیں احمد اور سلیم نے سیکھ لی ہیں۔ اسی لیے محلّے بھر میں ان کی نیکی اور سعادت مندی کا چرچا ہے۔

ایک دفعہ میں ان کے ہاں کھانے پر مدعو تھا۔ ان دنوں نزلے، زکام اور بخار کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو اس بیماری کا ذکر چل نکلا۔ میں نے اس کے اسباب پر روشنی ڈالی۔ احمد کے ابّا نے بچّوں کو حفاظتی تدابیر بتائیں۔ بات ابھی جاری تھی کہ احمد کے ابّا نے اس کا رُخ دوسری طرف موڑ دیا۔ بولے "جیسے آج کل نزلے زکام کی وبا چل رہی ہے، اسی طرح ایک وبا اخلاقی بیماریوں کی بہت عام ہے۔ جس طرح بیماری سے انسان کی صحت کمزور ہو جاتی ہے، اسی طرح اخلاقی بیماری سے انسان کی رُوح کمزور ہو جاتی ہے، لیکن کیسے افسوس کی بات ہے کہ ہم جسمانی بیماری کے علاج کے لیے تو ہر طرف مارے مارے پھرتے ہیں مگر اخلاقی بیماریوں کا علاج تو کجا ان کی موجودگی تک کا احساس نہیں کرتے۔" یہ کہہ کر وہ مجھ سے مخاطب ہوئے اور پُوچھا:

"آپ کا کیا خیال ہے رحمٰن صاحب؟" میں نے عرض کیا: "آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔ آج دو چار نہیں بلکہ بیسیوں ایسی اخلاقی بیماریاں ہیں جو انسانی اخلاق کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں۔ اور ان کی وجہ سے انسان روز بروز پستی کے گڑھے میں گرتا چلا جا رہا ہے۔" احمد کے ابّا نے اس کی وضاحت چاہی تو میں نے جھوٹ، مکر و فریب، ریاکاری، چُغلی اور غیبت جیسی اخلاقی کمزوریوں کے نام گِنوا دیے۔ اُنھوں نے میری ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا "یُوں معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ کے

چند نیک بندوں کے سوا پُورے کا پُورا معاشرہ کسی نہ کسی مرض میں مبتلا ہے۔ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، لیکن انھیں یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ کتنا بُرا کام کر رہے ہیں۔ ہمارے ہر کام میں تصنّع اور بناوٹ ہے۔ ریاکاری لوگوں کی نس نس میں بس گئی ہے۔ دھوکے اور فریب کا زندگی میں اس قدر چلن ہے کہ ہمیں دیانت کے معنی ہی بھُول گئے ہیں۔" میں نے بات کاٹنے کی معافی چاہتے ہوئے کہا: "بھائی جان کیا آپ نے یہ نہیں دیکھا کہ جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں وہی لوگ دُوسروں کو سچ کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔ جو خود ریاکار ہیں وہی ریاکاری کے خلاف وعظ بھی کرتے ہیں۔ دھوکے باز ایمانداری کا ڈھونگ رچاتے اور لوگوں کو دیانت کے گُر سکھاتے ہیں۔" اس پر احمد کے ابّا بولے: "رحمٰن صاحب! دراصل ہماری سب سے بڑی بد قسمتی تو یہی ہے کہ ہمارے قول و فعل میں تضاد ہے۔"

احمد کا چھوٹا بھائی سلیم تمام گفتگو توجّہ سے سُن اور سمجھ رہا تھا، لیکن قول و فعل میں تضاد کی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی۔ پُوچھنے لگا "ابّا جان! قول و فعل میں تضاد کا کیا مطلب ہے؟" ابّا جان بولے: "قول کا مطلب ہے کہنا یعنی گفتگو یا بات چیت وغیرہ اور فعل سے مراد ہے کرنا۔ جو کچھ ہم کہتے ہیں، وہ ہمارا قول ہے اور جو کچھ ہم کرتے ہیں وہ ہمارا فعل ہے۔ اب اصول کی بات یہ ہے کہ جو کچھ ہم کہیں وہی کچھ ہم کر کے بھی دکھائیں، یعنی ہمارے قول اور فعل میں مطابقت ہو، لیکن اگر ہم کہیں کچھ اور کریں کچھ تو اسے قول و فعل کا تضاد کہیں گے۔" احمد نے کہا "ابّا جان! بات تو بالکل واضح ہے۔ اگر ہم دُوسروں کو سچ کی تلقین کریں تو ہمیں خود بھی ہمیشہ سچ بولنا چاہیے۔ ورنہ لوگ کہیں گے کہ ایک جھوٹا آدمی دوسروں کو سچ بولنے کی نصیحت کر رہا ہے۔" میں نے عرض کیا: "اللہ تعالیٰ کو قول و فعل کا یہ تضاد بہت ہی ناپسند ہے، اسی لیے تو قرآن حکیم میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ "تُم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو۔" اللہ کے بندے اس بات کا بہت خیال رکھتے ہیں کہ وہ کوئی ایسی بات نہ کہیں جس پر وہ خود عمل نہ کرتے ہوں۔"

میں نے کہا: "کیوں نہ ہو، اسلام میں اس تضاد کو نفاق یعنی منافقت کہا گیا ہے۔ پس جس شخص کے قول و فعل میں مطابقت نہ ہو وہ ایک طرح سے منافق ہوا۔ ملک، قوم اور دین کو جس قدر نقصان منافقین سے پہنچا ہے اتنا کافروں سے بھی نہیں پہنچا، لیکن جس تضاد اور نفاق سے بچنے کی تاکید اسلام نے کی ہے، ہم اسی میں مُبتلا ہوتے جا رہے ہیں۔ جو لوگ بظاہر سرمایہ داری کو لعنت سمجھتے ہیں وہ خُود سرمایہ دار بننے کی ہوس رکھتے ہیں۔ جو بظاہر غریبوں سے ہمدردی جتاتے ہیں، موقع مِلنے پر وہ انہیں کا خُون چُوستے ہیں۔ ہم میں بہت سے ایسے بھی ہیں جو ملاوٹ، چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی کے

خلاف دھواں دھار تقریریں کرتے ہیں، لیکن خُود ان جرائم کے عادی ہیں۔ اگرچہ ہمارے ہاں اچھے رہنما اچھے علماء، اچھے اساتذہ، اچھے واعظ اور اچھے انسان موجود ہیں لیکن ہم میں وہ لوگ بھی موجود ہیں جن کے ہر قول وفعل میں تضاد موجود ہے۔"

مشقیں

۱۔ جواب دیجیے :

(i) احمد کے ابّا اپنے بچّوں کو اچھے کاموں کی ترغیب کس طرح دیتے تھے ؟

(ii) محلّے بھر میں احمد اور سلیم کی نیکی اور سعادت مندی کا چرچا کیوں تھا ؟

(iii) جسمانی اور اخلاقی بیماریوں میں کیا فرق ہے ؟

(iv) ہم میں کون کون سی اخلاقی بیماریاں عام ہیں ؟

(v) قول وفعل کے تضاد سے کیا مُراد ہے ؟

(vi) قول وفعل کے تضاد کو اسلام میں کیا کہتے ہیں ؟

۲۔ علماء، عالم کی جمع ہے۔ اسی قاعدے کے مطابق ذیل کے لفظوں کی جمع بنائیے :۔

جاہل ۔ فاضل ۔ فقیر۔ شاعر۔ امیر

۳۔ اعراب لگا کر تلفّظ ظاہر کیجیے :

طلبہ۔ نفاق ۔ جرائم ۔ واعظ۔ شفقت۔ گفتگو۔ ارشاد۔ اصول۔

۵۔ یہ اپنا پاکستان ہے

یہ اپنا پاکستان ہے — یہ اپنا پاکستان
لاکھوں جانیں دے کر پایا
پایا اور فردوس بنایا
اس کا جھنڈا ہم نے اٹھایا
جس کا اپنے سر پر سایہ — اللہ کا احسان
یہ اپنا پاکستان ہے — یہ اپنا پاکستان

یہ اپنا پاکستان ہے — یہ اپنا پاکستان
قائدِ اعظم اس کے بانی
جراٴتِ حیدر کی یہ نشانی
دولت، عزّت، جان، جوانی
اس کی خاطر ہر قُربانی — اپنا ہے ایمان
یہ اپنا پاکستان ہے — یہ اپنا پاکستان

یہ اپنا پاکستان ہے — یہ اپنا پاکستان
پاکستان ہماری دولت
اپنے دَم سے اس کی عِزّت
ہم سے قائم اس کی عظمت
ہم زندہ ہیں اس کی بدولت — ہم اس کے ارمان
یہ اپنا پاکستان ہے — یہ اپنا پاکستان

(یوسف ظفر)

مشقیں

۱۔ جواب دیجیے :

(i) شاعر نے یہ بات کیوں کہی کہ ہم نے پاکستان لاکھوں جانیں دے کر پایا؟

(ii) پاکستان کو فردوس بنانے سے شاعر کا کیا مطلب ہے ؟

(iii) پاکستان کو جراٴتِ حیدر کی نشانی کیوں کہا گیا ہے ؟

۲۔ ذیل کے بند کو خوشخط اپنی کاپی میں لکھیے اور اس کا مطلب بھی تحریر کیجیے۔

پاکستان ہماری دولت
اپنے دم سے اس کی عزّت
ہم سے قائم اس کی عظمت
ہم زندہ ہیں اس کی بدولت —— ہم اس کے ارمان

۳۔ نظم میں جھنڈا، سایہ، احسان اور ایمان کے لفظ استعمال کیے گئے ہیں۔ جن مصرعوں میں یہ لفظ استعمال ہوئے ہیں انھیں غور سے دیکھیے اور بتایئے کہ یہ لفظ مذکر ہیں یا مؤنث۔ یہ بھی بتایئے کہ یہ بات آپ نے کس طرح پہچانی ؟

۴۔ اس نظم میں سے اسم معرفہ اور اسم نکرہ الگ الگ کر کے لکھیے۔

۶۔ حضرت سلمان فارسیؓ

حضرت سلمان فارسیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے صحابی تھے جن پر حضور اکرمؐ بے حد مہربان تھے۔ یہاں تک کہ ایک موقعہ پر رسول اللہؐ نے فرمایا: "سلمان ہمارے اہلِ بیت میں ہے۔" حضورؐ سے اس قدر تعلقات کی وجہ سے دوسرے صحابہ کرامؓ آپ کا بے حد احترام کرتے اور ہمیشہ عزّت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی پیدائش ایران کے مشہور تاریخی شہر اصفہان کے نزدیک ایک گاؤں میں ہوئی۔ آپ کے آباؤ اجداد آتش پرست تھے۔ بچپن میں والدین نے آپ کا نام "مابہ" رکھا تھا، لیکن اسلام لانے کے بعد "سلمان" نام رکھا گیا۔ آپ کے والد ایک زمیندار تھے۔ سلمانؓ اپنے والد کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ "آتشکدہ" کی دیکھ بھال بھی انہیں کی ذمّہ داری تھی۔ ایک دن آپ کھیت پر جا رہے تھے کہ راستے میں لوگوں کو ایک گرجے میں عبادت کرتے ہوئے دیکھا۔ ان کو عبادت کا یہ طریقہ پسند آیا۔ جب عبادت ختم ہوئی تو آپ نے عیسائیوں سے ان کے مذہب کی معلومات حاصل کیں۔ کسی نے مشورہ دیا کہ ملک شام میں جا کر وہاں کے پادری سے ملو وہ تم کو عیسائی مذہب کی صحیح تعلیم دے گا۔ آپ گھر بار چھوڑ کر شام چلے گئے اور عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ کچھ مدت پادری کے پاس رہ کر انھوں نے موصل اور پھر عموریہ کا سفر اختیار کیا۔ سچّائی کی تلاش جاری تھی کہ آپ کی ملاقات ایک اور پادری سے ہوئی اور آپ اس کی خدمت میں رہنے لگے۔ مرتے وقت اس پادری نے کہا: "بیٹا! آج دُنیا میں مجھے ایسا کوئی شخص نظر نہیں آتا جو تمھاری رہنمائی کر سکے۔ البتّہ عرب کے ریگستان میں ایک نبی کے ظاہر ہونے کا زمانہ قریب ہے۔ وہ دینِ ابراہیمؑ کو زندہ کرے گا، کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا میرا مشورہ ہے کہ تم اس سے ضرور ملنا۔"

پادری کے مرنے کے بعد کچھ تاجروں کا قافلہ عموریہ سے گزرا تو آپ نے ان سے کہا کہ مجھے عرب پہنچا دو۔ وہ لوگ تیار ہو گئے لیکن راستے میں تاجروں نے آپ کو دھوکہ دیا اور ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا۔ یہودی سے اس کا چچا زاد بھائی ملنے آیا تو اس نے انھیں خرید لیا۔ یہ شخص حضرت سلمانؓ کو لے کر مدینے پہنچ گیا۔ اب آپ کھجوروں والی زمین میں پہنچ چکے تھے اور دل میں ذوق و شوق سے اس وقت کا انتظار کرنے لگے کہ دینِ ابراہیمؑ کو زندہ کرنے والے نبی کے دیدار کب ہوتے ہیں اور کب وہ اس سعادت سے مالا مال ہوتے ہیں۔

آخرکار وہ مبارک دن بھی آگیا جب رسول اللہؐ مکّے سے ہجرت فرما کر مدینے تشریف لائے۔ حضرت سلمانؓ کو حضورؐ کے آنے کی خبر ملی تو بے تاب ہو کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔

حضورؐ نے اُنھیں اُن کے یہودی آقا کی غلامی سے آزاد کرانے کے لیے معاملہ طے کیا اور تین سو کھجوروں کے درخت اور کچھ مقدار سونے کے بدلے اُن کو آزاد کرا لیا۔ آزادی کے بعد آپ مستقل طور پر مسلمانوں کے ساتھ رہنے لگے۔ آزادی کے بعد پہلا معرکہ غزوۂ خندق پیش آیا، جس میں آپ نے شرکت کی۔ اس جنگ میں دُشمنوں کی ایک بہت بڑی فوج کے مقابلے میں مٹھی بھر مسلمان تھے اور جنگ بھی کوئی میدانی جنگ نہ تھی، بلکہ خود مدینے پر براہِ راست حملہ تھا۔ حضورؐ نے مُسلمانوں سے مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا کہ شہر کے چاروں طرف خندق کھودی جائے۔ یہ مشورہ پسند کیا گیا۔ چنانچہ خندق کھودی گئی جس سے شہر محفوظ ہو گیا۔ دُشمن مسلسل کئی دن تک مدینے کو گھیرے میں لیے رہے جب کچھ بس نہ چلا تو ناکام لوٹ گئے، غزوۂ خندق کے بعد بھی کئی بار اسلامی لشکر کے ساتھ رہ کر آپ نے جنگیں لڑیں اور کامیاب ہوئے۔

حضرت سلمان فارسیؓ اسلام کے سچّے شیدائی اور عاشقِ رسولؐ تھے۔ دُنیاوی چیزوں کی اُنھوں نے کبھی پروا نہیں کی۔ وہ سادہ زندگی گزارتے تھے، معمولی لباس پہنتے تھے، رہنے کے لیے ان کے پاس ایک جھونپڑی تھی، بستر کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ تکیے کی بجائے دو اینٹیں ہوتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مدائن کے گورنر بھی رہے لیکن ان کی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ اُنھوں نے اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو کبھی عیب نہیں سمجھا۔ ایک مرتبہ حضرت ابو درداء نے بیت المقدس سے آپ کے نام خط لکھا کہ آپ میرے پاس اس مقدّس زمین پر تشریف لے آئیں۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ کوئی زمین انسان کو مقدّس نہیں بناتی بلکہ اس کا عمل اسے مقدّس بناتا ہے۔

ایک دفعہ آپ کو دجلہ کے کنارے جانے کا اتّفاق ہوا، ایک شاگرد ساتھ تھا۔ حضرت سلمانؓ نے اس سے کہا کہ گھوڑے کو پانی پلا لاؤ۔ شاگرد نے حکم کی تعمیل کی، جب گھوڑا اچھی طرح پانی پی چکا تو آپ نے فرمایا "اچھا بتاؤ کیا اس جانور کے پانی پینے سے دجلہ میں کوئی کمی واقع ہوئی؟" اس نے کہا "جی نہیں۔" آپ نے فرمایا علم کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ اس میں سے جتنا بھی خرچ کیا جائے یہ گھٹتا نہیں۔ حضرت سلمانؓ کا مزار مدائن میں ہے۔

مشقیں

۱۔ جوابات لکھیے :

(i) والدین نے حضرت سلمانؓ کا کیا نام رکھا تھا ؟

(ii) حضورؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے بارے میں کیا فرمایا ؟

(iii) پادری نے مرتے وقت حضرت سلمان فارسیؓ کو کیا نصیحت کی تھی ؟

(iv) حضرت سلمانؓ کن کن مصیبتوں سے گذر کر مدینہ تک پہنچے ؟

(v) غزوۂ خندق کو اس نام سے کیوں یاد کیا جاتا ہے ؟

۲۔ مطلب واضح کیجیے :

اہلِ بیت ، آتش پرست ، آتشکدہ ، دینِ ابراہیمؑ ، کھجوروں والی زمین۔

۳۔ واحد لکھیے :

عنایات ۔ خدمات ، آباز اجداد

۷۔ پنسلین کی دریافت

خالد بڑا کھلنڈرا لڑکا تھا۔ گیند بلّا کھیلنے کا بڑا شوقین تھا۔ روز محلّے کے لڑکوں کو اکٹّھا کرکے گلی ہی میں کھیلنا شروع کردیتا۔ ایک دن کسی شرارتی لڑکے نے زور سے گیند جو پھینکا تو خالد کے گھٹنے پر لگا۔ اچھا خاصا زخم آیا، مگر کھیل کے شوق میں خالد نے چوٹ کی پروا نہ کی۔ گھر والوں کو بھی نہ بتایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زخم خراب ہوگیا۔ پیپ پڑگئی، ٹانگ سوج گئی اور چلنا پھرنا دُوبھر ہوگیا۔ ایک شام خالد لنگڑاتا ہوا گھر پہنچا تو اس کے بڑے بھائی حامد نے جو ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کررہے تھے، وجہ پُوچھی۔ خالد نے پہلے تو ٹالنا چاہا لیکن بھائی کے اصرار پر اصل بات بتانی پڑی۔ حامد نے جو ٹانگ دیکھی تو سُوج کر سرخ ہوگئی تھی۔ حامد اسے محلّے کے ڈاکٹر صاحب کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے زخم پر دوا لگائی اور خالد کے ایک ٹیکہ لگاکر اسے رخصت کردیا۔

شام تک خالد کے درد میں کمی آگئی۔ رات کو حامد نے اس سے حال پوچھا۔ اس نے خُوش ہوکر بتایا کہ بھیّا اب میری ٹانگ میں درد بہت کم ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کون سا ٹیکہ لگایا تھا؟ حامد نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب نے پنسلین کا ٹیکہ لگایا تھا۔ خالد نے کہا: "بھائی جان! یہ ٹیکہ تو بہت اچھا ہے، اس سے میری تکلیف بہت جلد دُور ہوگئی ہے۔" بھائی جان بولے: "پنسلین ایک بڑی مفید دوا ہے اور اس کی دریافت کا قصّہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔"

خالد نے کہا کہ بھائی جان وہ قصّہ مجھے بھی تو سنایئے۔ حامد اس کے سوال سے خوش ہوئے اور بولے: "آج سے کوئی نصف صدی پہلے کی بات ہے، برطانیہ کا ایک سائنسدان اپنی تجربہ گاہ میں بیٹھا تجربے کررہا تھا۔ اس کے سامنے میز پر کئی شیشیاں اور امتحانی نلیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک نلی میں اس نے کچھ جراثیم پال رکھے تھے۔ جراثیم کو پالنے کا ذکر سن کر تم حیران ہوگئے ہوگے۔ جس طرح تم طوطا، بلّی یا کبوتر پالتے ہو اسی طرح سائنسدان جراثیم بھی پالتے ہیں۔ جراثیم تو تم جانتے ہو بہت ہی چھوٹے کیڑے ہوتے ہیں جو نظر بھی نہیں آتے، صرف خُردبین کی مدد سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ سائنسدان ان کو خاص قسم کی دوا میں رکھتے ہیں جہاں یہ بہت تیزی سے بڑھتے رہتے ہیں۔ پھر ان پر طرح طرح کے تجربات کرکے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ کون سے جراثیم کون کون سی بیماریاں پھیلاتے ہیں یا کون سی دوائیاں ان جراثیم کو مار سکتی ہیں۔ اتّفاق کی بات ہے کہ جس ٹیوب میں سائنسدان نے جراثیم پال رکھے تھے اس میں کہیں اِدھر اُدھر سے اڑکر نیلگوں سبز رنگ کی پھپھوندی کے ٹکڑے بھی آگرے تھے۔ تم جانتے ہو پھپھوندی

کیا ہوتی ہے؟ تم نے گلے سڑے مالٹوں یا انگوروں پر مکڑی کے جالے کی طرح ریشے یا تار جمے ہوئے دیکھے ہوں گے۔ برسات کے موسم میں کتابوں کے ورقوں پر یا باسی روٹیوں پر بھی اس قسم کی چیز جم جاتی ہے، اسے پھپھوندی کہتے ہیں۔ یہ سفید بھی ہوتی ہے اور نیلاہٹ لیے ہوئے سبز رنگ کی بھی۔ یہ دراصل بعض جراثیم ہی کی پیدا کی ہوئی چیز ہوتی ہے۔

"جراثیم والی ٹیوب میں جو مائع ہوتا ہے وہ گدلا سا ہو جاتا ہے لیکن اس ٹیوب میں جہاں پھپھوندی کے ٹکڑے گرے تھے وہاں اس سائنسدان نے دیکھا کہ ان ٹکڑوں کے ارد گرد تھوڑی سی جگہ میں مائع کا رنگ بالکل صاف ہے۔ اس نے اس پانی کا خرد بین سے معائنہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس میں جراثیم نہیں ہیں جب کہ باقی ٹیوب کے مائع میں جراثیم کی کثرت ہے۔ یہ ایک عجیب بات تھی۔ کیا اس کا یہ مطلب تھا کہ جہاں جہاں پھپھوندی گری تھی وہاں جراثیم مر گئے تھے؟ کیا پھپھوندی نے انھیں مار ڈالا تھا؟ یہ سوالات اس کے ذہن میں پیدا ہوئے تو ان کا جواب تلاش کرنے کے لیے اس نے اپنے تجربات جاری رکھے اور جلد ہی معلوم کر لیا کہ پھپھوندی اور مائع کے ملنے سے ایک چیز پیدا ہو جاتی ہے جو جراثیم کو بڑھنے سے روک دیتی ہے، بلکہ ان کو مار بھی دیتی ہے۔ اس چیز کا نام اس سائنسدان نے پنسلین رکھا۔ اس برطانوی سائنسدان کا نام الگزینڈر فلیمنگ تھا اور یہ واقعہ ۱۹۲۹ء کا ہے۔

"پھپھوندی سے حاصل ہونے والی پنسلین بہت کم مقدار میں تھی اس لیے سائنسدانوں نے اور زیادہ تجربے کر کے ایسا طریقہ دریافت کر لیا جس سے بہت زیادہ مقدار میں پنسلین حاصل ہو سکے۔ ۱۹۳۸ء تک پنسلین کے بارے میں بہت سے تجربے ہو چکے تھے اور یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ جراثیم کو مارنے والی مفید دوا ہے اور انسانوں پر اس کے نقصان دہ اثرات دوسری جراثیم کش ادویات کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ چنانچہ جراثیم سے پیدا ہونے والی بہت سی بیماریوں کا علاج پنسلین سے کیا جانے لگا۔

"پنسلین کی دریافت سے پہلے لوگ بہت سی بیماریوں میں مبتلا ہونے اور تکلیف اٹھاتے تھے۔ بچوں کو پھوڑے پھنسیاں نکل آتیں تو جلد ہی تمام جسم پھنسیوں سے بھر جاتا۔ ان پر مکھیاں بیٹھ کر جراثیم کو جلد کے دوسرے حصّوں پر پہنچا دیتیں اور اس طرح پھنسیاں پھیلتی جاتیں۔ لوگ کہیں مرہم کے پھاہے لگاتے، کہیں پھوڑوں کو نشتر سے چیر کر پیپ اور گندا مواد نکالنا پڑتا۔ کہیں کڑوی کسیلی دوائیں پینا پڑتیں۔

پنسلین کی دریافت سے علاج آسان ہو گیا۔ آج کل پھوڑے پھنسیاں نکلنے لگیں تو پنسلین کے دو چار ٹیکے لگوا لیجیے۔ پھوڑے پھنسیوں سے جلد ہی نجات مل جائے گی۔ گلے اور ناک کی اکثر بیماریوں کا علاج بھی پنسلین سے کیا جاتا ہے۔ نمونیا ایک بڑی تکلیف دہ بیماری ہے۔ اس سے چھاتی میں درد ہونے لگتا ہے سانس لینے میں

بڑی تکلیف ہوتی ہے، بخار بھی ہو جاتا ہے۔ اب پنسلین کے ذریعہ بڑی آسانی کے ساتھ اس کا علاج بھی کیا جاسکتا ہے۔

لیکن پنسلین ہر قسم کے جراثیم کو نہیں مارتی، صرف چند قسم کے جراثیم ہی پنسلین سے ہلاک ہو سکتے ہیں۔ اس لیے پنسلین ہر بیماری کا علاج نہیں ہے۔ پنسلین کے زیادہ استعمال سے بھی پتا چلا کہ رفتہ رفتہ جراثیم میں بھی مقابلے کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے یعنی ایسے جراثیم پیدا ہونے لگتے ہیں جن پر پنسلین کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لیے ڈاکٹروں نے آج کل پنسلین کا استعمال کم کر دیا ہے اور اس کی جگہ دوسری دوائیں استعمال ہونے لگی ہیں۔ پنسلین بعض لوگوں کے لیے خطرناک بھی ثابت ہو چکی ہے۔ بعض لوگوں کی طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ وہ پنسلین کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر ان کے پنسلین کا ٹیکہ لگا دیا جائے تو بے ہوشی یا موت کا ڈر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہر کسی کو پنسلین کا ٹیکہ نہیں لگایا جاتا۔ ڈاکٹر پہلے آزمائش کے طور پر ہلکا سا ٹیکہ لگا کر یہ اطمینان کر لیتا ہے کہ مریض پنسلین برداشت کر سکتا ہے یا نہیں۔ اگر کر سکتا ہو تو پنسلین کا ٹیکہ لگایا جاتا ہے ورنہ نہیں۔ ڈاکٹر نئے مریضوں کو پنسلین کا ٹیکہ لگانے سے پہلے پوچھ لیتے ہیں کہ آپ نے اس سے پہلے کبھی یہ ٹیکہ لگوایا ہے؟ اگر لگوایا ہو تو اس کا مطلب ہے کہ مریض پنسلین برداشت کر سکتا ہے اور ٹیکہ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اگر پہلے ٹیکہ نہ لگا ہو تو ڈاکٹر پہلے آزمائشی ٹیکہ لگاتے ہیں یا کوئی دوسری دوا تجویز کر دیتے ہیں۔

آج کل پنسلین پھپھوندی سے بھی حاصل کی جاتی ہے اور مصنوعی طریقے سے بھی بنائی جاسکتی ہے۔ بلکہ آج کل کئی قسم کی پنسلین ایجاد ہو گئی ہے۔ بعض قسمیں زیادہ طاقتور ہیں بعض کم۔ بعض ٹیکے کے ذریعے استعمال کی جاتی ہیں اور بعض گولیوں کی شکل میں کھائی بھی جاسکتی ہیں۔ گلے کی خرابی میں پنسلین کی ٹافیاں چوسنے سے بھی آرام آجاتا ہے۔ آنکھیں دکھنے کا علاج بھی پنسلین کے خاص مرہم سے کیا جاتا ہے۔

قدرت کے بھی عجیب کرشمے ہیں۔ اتنی مفید دوا حاصل بھی کہاں سے ہوئی "پھپھوندی جیسی کتنی اور گندی چیز سے!"

مشقیں

۱- جواب دیجیے!

(۱) خالد کی لاپروائی کا کیا نتیجہ ہوا؟

(ii) جراثیم کیا چیز ہے ؟

(iii) جراثیم پر طرح طرح کے تجربات کیوں کیے جاتے ہیں ؟

(iv) سائنسدان کے ذہن میں کیا کیا سوال پیدا ہوئے ؟

۲۔ نیچے لکھے ہُوئے جملوں میں خالی جگہوں کو پُر کیجیے :

(i) زخم کی وجہ سے خالد کا چلنا پھرنا ـــــ ہو گیا۔

(ii) ڈاکٹر نے خالد کے ٹیکہ لگا کر اسے ـــــ کر دیا۔

(iii) پنسلین کی ـــــ کا قصّہ بڑا دلچسپ ہے۔

(iv) سائنسدان نے اپنے تجربات ـــــ رکھے۔

(v) جس سائنسدان نے پنسلین دریافت کی اُس کا نام ـــــ تھا۔

(vi) پنسلین ـــــ میں دریافت ہوئی۔

(vii) قدرت کے بھی عجیب ـــــ ہیں۔

۳۔ ذیل کے الفاظ میں سے اسم معرفہ اور اسم نکرہ کو پہچان کر الگ الگ لکھیے :۔

خالد ۔ لڑکا ۔ پنسلین ۔ رخصت ۔ دوا ۔ ڈاکٹر ۔ قِصّہ

۴۔ دُوبھر ہو جانا ۔ ٹالنا ۔ رخصت کرنا ۔ گدلا ہونا ۔ پھیل جانا ۔ ہلاک ہونا کو اپنے جُملوں میں استعمال کیجیے۔

۵۔ مندرجہ ذیل میں سے کون سے مذکر ہیں اور کون سے مؤنث :

گیند ۔ پیپ ۔ زخم ۔ تجربہ گاہ ۔ واقعہ ۔ نقصان ۔ علاج ۔ نمونیا ۔ اطمینان۔

۶۔ ان کے واحد لکھیے :

نلیاں ۔ دوائیاں ۔ ٹکڑوں ۔ تجربات ۔ سوالات

بعض لوگ پنسلین کو برداشت نہ کر سکتے اس لیے ڈاکٹر اُن کو تھوڑی مقدار میں پنسلین کا ٹیکا لگا کر اس کا اثر دیکھتے ہیں۔ اگر مریض کوئی تکلیف یا خرابی محسوس کرے تو ڈاکٹر اسے پنسلین کی جگہ کوئی اور دوا دے دیتے ہیں

۵ پاسبانِ حرم

صغیر گھر میں داخل ہوا تو باجی کے کمرے سے ریڈیو بجنے کی آواز آ رہی تھی۔ اجازت لے کر کمرے میں گیا تو "زندہ ہے لاہور، پائندہ ہے لاہور" کی آواز کانوں میں گونجی۔ ریڈیو پاکستان سے گائے جانے والے ترانے کے یہ آخری بول تھے۔ ترانہ تو ختم ہو گیا، لیکن صغیر خیالات کی دُنیا میں کھو گیا۔ باجی نے پُوچھا "صغیر کیا سوچ رہے ہو؟" صغیر بولا: "باجی ترانے کے الفاظ دل میں دُہرا رہا ہوں۔ خدا کرے لاہور ہمیشہ ہمیشہ اسی طرح زندہ رہے۔" باجی بولیں۔ "نہ صرف لاہور بلکہ پاکستان کا ہر گاؤں اور ہر شہر ہمیشہ زندہ و پائندہ رہے۔" "لیکن لاہور تو پاکستان کا دل ہے۔" صغیر نے آہستہ سے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "بے شک"۔ باجی نے تائید کی۔ میرے بھائی لاہور کی عظمت کی تو تاریخ بھی گواہ ہے۔" صغیر بولا: "باجی لاہور میں یوں تو پہلے بھی تاریخی عمارتوں کی کمی نہیں لیکن اب تو کچھ اور بھی عظیم عمارتیں یہاں بن رہی ہیں۔ ان میں سے کچھ مکمّل ہو گئی ہیں اور کچھ زیرِ تعمیر ہیں۔ آپ کو یاد ہے ہم مینارِ پاکستان دیکھنے گئے تھے اور اب اس روز جب خالہ جان کے گھر جاتے ہوئے شاہراہِ قائدِاعظم سے گزرے تھے تو ابّا جان نے ایک عمارت کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ اسلامی کانفرنس کی یادگار تعمیر کی جا رہی ہے۔ واللہ! باجی کیا نظّارہ تھا جب لاہور میں اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی تھی! ٹی وی پر براہِ راست تمام پروگرام دیکھ کر ہم سب کس قدر خوش ہوئے تھے!" "اس لیے کہ یہ بہت بڑی اسلامی کانفرنس جو تھی۔ اس میں مسلم ممالک کے کئی بادشاہ، صدر، وزیرِ اعظم اور دیگر نمائندے شریک ہوئے تھے۔" باجی نے جواب دیا۔ "اور ہاں، باجی! بادشاہی مسجد میں ان عظیم ہستیوں کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے لوگ اُمڈے چلے آ رہے تھے اور باجی وہ منظر مَیں آج تک نہیں بھُول سکا جب شاہ فیصل نے نم آلود آنکھوں سے مسلمانوں کے اتّحاد و یک جہتی اور طاقت و استحکام کے لیے خداوندِ کریم کے حضور میں دُعا کی تھی۔ پھر اچانک ایک دن ریڈیو پر سُنا اور اخباروں میں پڑھا کہ شاہ فیصل شہید کر دیے گئے ہیں۔ کس قدر دُکھ ہوا تھا ہمیں یہ خبر سُن کر! نہ صرف ہمیں بلکہ تمام دُنیا کے مسلمانوں کی آنکھیں اور دل اس روز رو رہے تھے۔" باجی نے گلوگیر آواز سے کہا۔ "شاہ فیصل ایک عظیم رہنما تھے اور پھر سعودی عرب کے فرماں روا ہونے کی حیثیت سے تو انھیں اور بھی زیادہ اہمیّت حاصل تھی۔" "جی ہاں! سعودی عرب میں مُسلمانوں کے دو انتہائی مقدّس مقامات مکّہ معظّمہ اور مدینہ منوّرہ جو ہیں۔" صغیر یک دم بول اٹھا۔ باجی نے پھر اس کی تائید کی۔ صغیر نے کہا "باجی! ایک مرتبہ ہمارے ماسٹر صاحب نے بتایا تھا کہ سعودی عرب



شاہ فیصل شہید

کا رقبہ تقریباً چھبیس لاکھ کلو میٹر ہے۔ اس کی آبادی تقریباً ساٹھ لاکھ ہے۔ یہ مسلمانوں کا ایک انتہائی دولت مند ملک ہے اور یہاں آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ تیل ہے" "تو کیا باجی تیل کے علاوہ یہاں اور کچھ نہیں ہوتا؟" باجی نے جواب دیا: "تمھیں معلوم ہے کہ عرب ایک ریگستانی علاقہ ہے لیکن اب ریگستانوں کو قابلِ کاشت بنا کر زراعت کو تیزی کے ساتھ ترقی دی جا رہی ہے۔ یہاں کی پیداوار میں کھجور، شہد، تازہ پھل، خام اُون، کھالیں، دودھ سے تیار شدہ اشیاء، جَو، قہوہ، چُونا، موتی اور بہت سی دُوسری اشیاء شامل ہیں۔"

"باجی! کیا آپ کے پاس اتنا وقت ہے کہ شاہ فیصل کے حالاتِ زندگی پر تھوڑی سی روشنی ڈال سکیں؟" صغیر نے پُوچھا "کیوں نہیں۔" باجی نے خوشی سے جواب دیا۔ "لو سنو! شاہ فیصل ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ وہ سلطان عبد العزیز ابنِ سعُود کے دوسرے بیٹے تھے۔ وہ شروع ہی سے مملکت کے امور میں اپنے والدِ بزرگوار کا ہاتھ بٹاتے رہتے تھے۔ اُنھوں نے ایک فوجی کمانڈر کی حیثیت سے مختلف بغاوتیں فرو کیں۔ بعد میں حجاز کے وائسرائے مقرر ہوئے اور پھر چار سال کے بعد وزیرِ خارجہ بنا دیے گئے۔ والد کی وفات کے بعد آپ کے بڑے بھائی شاہ سعود تخت نشین ہوئے۔ شاہ فیصل ولی عہد مقرر ہوئے اور وزیرِ اعظم کا عہدہ سنبھالا۔"

"باجی آپ نے تو ماشاء اللہ خوب حافظہ پایا ہے۔ کیا اپنے ملک میں علم کی ترقی کے لیے بھی شاہ فیصل مرحوم نے کچھ کیا؟" صغیر نے باجی کی تعریف کرتے ہوئے سوال کیا۔ "کیوں نہیں؟ علمی میدان میں شاہ فیصل نے سعودی عوام کے لیے جو خدمات انجام دیں، شاید دُنیا کا کوئی دُوسرا ملک اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ ملک میں سکولوں اور کالجوں کے علاوہ یُونیورسٹیاں بھی قائم کیں۔ فنّی، سائنسی اور تحقیقی میدانوں میں شاہ فیصل نے جو خدمات انجام دی ہیں ان کا یہاں دُور بیٹھ کر تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔" "اچھی باجی ایک اور بات ــــ بھلا اسلامی ممالک کے ساتھ شاہ فیصل کے تعلقات کیسے رہے خصوصاً پاکستان کے ساتھ؟" صغیر نے شوق سے پُوچھا۔

باجی نے کہا: "شاہ فیصل نے تمام اسلامی ممالک کے ساتھ دوستی کے رشتوں کو مضبوط بنایا اور مرتے دم تک ان رشتوں کو مضبوط بناتے رہے۔ دوست ممالک کے نہایت کامیاب دورے کیے۔ وہ پاکستان کے سچّے بہی خواہ تھے اور پاکستان کو اسلام کا قلعہ کہتے تھے۔ اُنھوں نے ہر موقع پر پاکستان کی تائید اور حمایت کی۔ ہر نازک دَور میں مسلمانوں کی ہمّت افزائی اور رہنمائی کی۔ اُنھوں نے عرب ملکوں کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے، دُنیائے اسلام کی بقا اور استحکام کے لیے، مسلمانوں کے لیے اور عام انسانوں کے لیے

جو کام کیے انھیں تاریخ میں ہمیشہ جلی حروف میں لکھا جائے گا۔"

"باجی کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ شاہ فیصل کی سب سے بڑی آرزو کیا تھی؟" صغیر نے پوچھا۔

"ہاں! ان کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ وہ مسجدِ اقصیٰ کو یہودیوں کے تسلط سے آزاد کرائیں اور اُس کے صحن میں خدا کے حضور سجدۂ شکر ادا کریں۔" باجی نے جواب دیا۔

"شاہ فیصل نے کتنا عرصہ حکومت کی؟" صغیر نے دوبارہ سوال کیا۔ "آپ نے گیارہ سال حکومت کی اور نہ صرف اپنی مملکت کی قسمت بدل ڈالی بلکہ مشرقِ وسطیٰ کو اتحاد اور یک جہتی کی راہ پر ڈال دیا۔ "پاسبانِ حرم" کی حیثیت سے اُنھوں نے اسلام کے پرچم کی سربلندی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا تھا اور اس کی تکمیل کے لیے وہ ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔" باجی نے جواب دیا اور پھر کہا:

"آپ کی شہادت کی خبر سن کر ہر سچے مسلمان کو دلی صدمہ پہنچا۔ مصر، شام، اُردن، پاکستان اور کئی دوسرے اسلامی ممالک میں سرکاری سطح پر دس دس دن تک سوگ منایا گیا۔"

باجی تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوگئیں۔ صغیر بھی خاموش تھا۔ باجی نے سر اُٹھا کر دیکھا تو صغیر کی آنکھیں بند تھیں۔ شاید وہ خواب میں مملکتِ عرب کی سیر کر رہا تھا جہاں شاہ فیصل نے حکومت کی تھی اور جہاں اب وہ ابدی نیند سو رہے تھے۔

مشقیں

۱۔ ان سوالوں کے جواب دیجیے:

(i) اس کا کیا مطلب ہے کہ صغیر خیالات کی دُنیا میں کھو گیا؟

(ii) صغیر نے لاہور کو پاکستان کا دل کیوں کہا؟

(iii) اس جملے کا مطلب سمجھا کر لکھیے۔ "لاہور کی عظمت کی تو تاریخ بھی گواہ ہے۔"

(iv) سعودی عرب کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ کیا ہے؟

(v) شاہ فیصل نے مسلمانوں کی کیا خدمات انجام دیں؟

(vi) شاہ فیصل کی سب سے بڑی آرزو کیا تھی؟

۲- تائید کرنا - براہِ راست - نم آلود - یک جہتی - روشنی ڈالنا - انجام دینا کو جملوں میں استعمال کیجیے؟

۳- اِسم کو نوعیّت کے اعتبار سے جن قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے، ان میں سے ایک کا نام صفت ہے - صفت اُس لفظ کو کہتے ہیں جس سے کسی اسم کی کیفیت، حالت، مقدار اور تعداد ظاہر ہو - مثلاً بیمار لڑکا - رنگین کتاب - تھوڑی رقم وغیرہ - جس چیز کی صفت بیان کی جائے، اُسے موصوف کہتے ہیں - بیمار لڑکا، رنگین کتاب اور تھوڑی رقم میں بیمار، رنگین اور تھوڑی صفت اور لڑکا، کتاب اور رقم موصوف ہیں - سبق میں سے کچھ صفت اور موصوف چُن کر اپنی کاپی میں لکھیے -

۴- واحد کے جمع اور جمع کے واحد لکھیے:

خیالات - عظمت - عمارتوں - ممالک - منظر - علاقہ - اشیا - اقوام - خدمات - تعلقات - مثال - سجدہ آرزو - حروف -

۵- مندرجہ ذیل میں سے مذکر اور مؤنث الگ الگ لکھیے:

ترانہ - تاریخ - عمارت - مینار - منظر - قہوہ - وزیر - حمایت -

۹۔ کوشش کیے جاؤ

دکاں بند کر کے رہا بیٹھ جو
تو دی اُس نے بالکل ہی لُٹیا ڈبو

نہ بھاگو کبھی چھوڑ کے کام کو
توقّع تو ہے خیر جو ہو سو ہو

کیے جاؤ کوشش میرے دوستو

جو پتھر پہ پانی پڑے متصل
تو بے شبہ گِھس جائے پتھر کی سِل

رہو گے اگر تم یوں ہی مُستقِل
تو اِک دن نتیجہ بھی جائے گا مِل

کیے جاؤ کوشش میرے دوستو

اگر طاق میں تم نے رکھ دی کتاب
تو کیا دو گے کل امتحاں میں جواب

نہ پڑھنے سے بہتر ہے پڑھنا جناب
کہ ہو جاؤ گے ایک دن کامیاب

کیے جاؤ کوشش میرے دوستو

نہ تُم ہچکچاؤ، نہ ہرگز ڈرو
جہاں تک بنے، کام پُورا کرو

مشقّت اُٹھاؤ، مصیبت بھرو
طلب میں جیو، جستجو میں مرو

کیے جاؤ کوشش میرے دوستو

جو بازی میں سبقت نہ لے جاؤ تُم
خبردار! ہرگز نہ گھبراؤ تم

نہ ٹھٹکو، نہ جھجکو، نہ پچھتاؤ تُم
ذرا صبر سے کام فرماؤ تُم

کیے جاؤ کوشش میرے دوستو

(اسمٰعیل میرٹھی)

مشقیں

۱۔ جو پتھر پہ پانی پڑے متصل
تو بے شبہ گِھس جائے پتھر کی سِل
اِس شعر سے آپ نے کیا سبق سیکھا؟

۲۔ لُٹیا ڈبونا۔ توقّع کرنا۔ مصیبت بھرنا۔ بازی لے جانا۔ پچھتانا کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

۳۔ دوسرے بند کے دوسرے شعر اور چوتھے بند کے پہلے شعر کی نثر کیجیے۔

۴۔ اعراب لگا کر تلفّظ ظاہر کیجیے۔

لٹیا۔ توقع۔ متصل۔ منتقل۔ اضطراب۔ قلق۔ ورق۔ سبقت۔

۵۔ ذیل میں سب موصوف مذکّر ہیں۔

اچھا لڑکا۔ پھٹا ہوا جوتا۔ نیلا لباس۔ انوکھا خواب

اچھا کی جگہ اچھی، پھٹا ہوا کی جگہ پھٹی ہوئی، نیلا کی جگہ نیلی اور انوکھا کی جگہ انوکھی کے الفاظ استعمال کرکے ان کے سامنے مناسب موصوف لکھیے۔

۶۔ مندرجہ ذیل کے معنی اپنی کاپی میں لکھیے۔

توقّع۔ بے شبہ۔ طاق۔ ہچکچانا۔ مصیبت بھرنا۔ جُستجو۔

۷۔ اس نظم کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ترنّم سے پڑھیے۔

۱۰۔ ہمارے جاں باز شہید اور غازی

اللہ کے نام کی خاطر بے خوف ہو کر لڑنا اور بڑے سے بڑے دُشمن کو شکست دینا ہماری تاریخ کی بڑی پُرانی روایت ہے اور آزمائش کے موقعوں پر اب بھی ہم اپنی اس روایت کو زندہ رکھنا جانتے ہیں۔ یہ بات اُس وقت ہمارے سامنے آئی جب ستمبر ۱۹۶۵ء میں بھارت نے اچانک ہماری سرزمین پر حملہ کر دیا۔

اس حملے کا جواب پاکستانی فوج کے جاں بازوں نے اس طرح دیا کہ ایک بار پھر چودہ صدی پہلے کے جاں بازوں کے کارناموں کی یاد تازہ ہو گئی۔ ہمارے جیالوں نے اپنی جان پر کھیل کر اور اپنی جان کی قربانی دے کر ہر محاذ پر دُشمن کے منصوبوں کو ناکام بنایا۔ مختلف محاذوں پر ہماری بڑی، بحری اور ہوائی فوج کے جوانوں نے جو بہادری دکھائی اس کا ذکر پہلے اخباروں میں آتا رہا اور بعد میں بہادری کے ان واقعات کو کتابوں میں جگہ ملی۔ کتابوں میں جن جوانوں کی بہادری کا ذکر ہے اُن میں غازی بھی ہیں اور شہید بھی۔ ان شہیدوں اور غازیوں کی بہادری کی رُوداد بیان کرتے ہوئے ان انعاموں کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو اُن کی خدمت کے صلے میں حکومت نے اُنھیں عطا کیے۔ اِن انعاموں میں سب سے بڑا نشانِ حیدر ہے۔ اُس کے بعد ہلالِ جرأت، ستارۂ جرأت اور تمغائے جرأت کا نمبر آتا ہے۔ یہ سب اعزاز کے نشان ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی جس جنگ کا ہم نے ذکر کیا وہ سترہ دن جاری رہی۔ ان دِنوں میں بڑی، بحری اور ہوائی فوج کے بہت سے بہادروں کو یہ اعزاز ملے۔

۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو رات کے اندھیرے میں جب بھارتی فوج ہماری سرزمین پر حملہ آور ہوئی تو ایک مقام پر اس کا مقابلہ میجر شفقت بلوچ کے فوجی دستے سے ہوا۔ بھارتی فوج اپنی پُوری قوّت سے پاکستانی سرحد میں داخل ہونے کی کوشش کرتی رہی۔ یہ حملہ ٹینکوں کے ساتھ کیا گیا تھا لیکن شفقت بلوچ کی رہنمائی میں پاکستانی نوجوان آہنی دیوار بن کر سامنے آ گئے اور پُورے نو گھنٹے تک بھارتی فوج کی پیش قدمی کو روکے رکھا۔ نو گھنٹے کی یہ مُہلت پاکستانی فوج کے لیے بڑی قیمتی تھی۔ اُس نے اس دوران میں اپنے مورچے مستحکم کر لیے۔ میجر شفقت ایک ایسی جگہ کھڑے ہوئے اپنے سپاہیوں کو ہدایت دے رہے تھے جہاں وہ پُوری طرح دُشمن کی زد میں تھے، لیکن اُنھیں اللہ کی تائید پر بھروسا تھا۔ اِسی بھروسے نے اُنھیں قوّت دی اور زخمی ہو جانے کے باوجود وہ محاذ پر ڈٹے رہے اور تاریخ میں اُنھیں "غازی" کا لقب ملا۔ اس بہادری کے صِلے میں اُنھیں ستارۂ جرأت کا اعزاز عطا ہُوا۔

سترہ دن کی پاک بھارت جنگ میں دونوں مُلکوں کی برّی، بحری اور ہوائی فوجیں حملے اور جوابی حملے کر رہی تھیں۔ بھارت کے پاس جس طرح برّی فوج تعداد میں زیادہ تھی، اسی طرح اُن کا ہوائی بیڑا بھی پاکستان کے مقابلے میں بہت بڑا تھا اور سترہ دن کی جنگ میں دُشمن نے اس ہوائی بیڑے سے بہت کام لیا۔ بھارتی فضائیہ کے جہاز ہر جگہ اپنی برّی فوج کی مدد کے لیے موجود تھے۔ بھارتی ہوا باز اپنے مختلف ہوائی اڈوں سے اُڑتے اور پاکستانی بستیوں پر گولہ باری کر کے نہتّے اور معصوم شہریوں کو اپنا نشانہ بناتے لیکن پاکستانی فضائیہ کے جاں بازوں نے ان پر جو شدید ضربیں لگائیں، اُن سے بھارتی فضائیہ کی قوّت کو سخت نقصان پہنچا۔ جنگ کے ابتدائی دنوں میں پاکستان فضائیہ کے شاہینوں نے ہلواڑہ، آدم پور، انبالہ اور جودھپور کے ہوائی اڈوں پر حملے کر کے ان کی کارکردگی کو بے اثر بنا دیا، لیکن پٹھانکوٹ کا ہوائی اڈا پھر بھی پاک سرزمین کے لیے خطرہ بنا ہوا تھا۔ اس اڈّے پر ہوائی جہازوں کی تعداد بھی زیادہ تھی اور یہاں ساز و سامان بھی زیادہ تھا، اس لیے ضرورت تھی کہ پٹھان کوٹ کے ہوائی اڈّے پر ضرب کاری لگائی جائے۔ یہ اہم کام پاکستان کے شاہین صفت ہوا باز فلائٹ لیفٹیننٹ یونس حسن خواجہ نے انجام دیا۔

واقعہ یوں ہے کہ پٹھان کوٹ کے ہوائی اڈّے پر حملہ کرنے کی غرض سے دو پاکستانی طیّاروں نے پاکستان سے پرواز کی اور اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ گئے۔ دونوں طیّاروں نے پٹھان کوٹ پر گولہ باری کی اور اپنا کام ختم کر کے پاکستان کا رُخ کیا۔ ایک طیّارہ صحیح سلامت واپس آگیا، لیکن دوسرے طیّارے میں آگ لگ گئی۔ اسے یُونس حسن خواجہ چلا رہے تھے۔ طیّارے میں آگ لگنے کی وجہ سے وہ زخمی ہو گئے تھے۔ اس حالت میں بھی اُنھوں نے اپنے حواس قائم رکھے۔ اُنھوں نے اپنے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کیا اور کہا "میرے ہوائی جہاز میں آگ لگ گئی ہے، میں شدید زخمی ہوں۔ کوشش کروں تو پیراشوٹ کے ذریعے صحیح سلامت واپس پہنچ سکتا ہوں، لیکن اس طرح وہ مقصد اُدھورا رہ جائے گا جس کی تکمیل کے لیے میں وطن سے نکلا تھا، اس لیے مجھے اجازت دی جائے کہ میں جلتے ہوئے ہوائی جہاز سمیت پٹھان کوٹ کے ہوائی اڈّے پر اُتر جاؤں۔" ابھی بات یہیں تک پہنچی تھی کہ گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس وقت تیرہ ہوائی جہاز پُورے سامان سے لیس پٹھان کوٹ کے ہوائی اڈّے پر کھڑے تھے۔ یونس حسن خواجہ نے بڑی ہوشیاری سے اپنا جلتا ہوا طیّارہ دُشمن کے طیّاروں پر گرا دیا۔ وہ سب طیّارے دیکھتے دیکھتے شعلوں کی لپیٹ میں آ گئے اور آخر جل کر راکھ ہو گئے اور یونس حسن خواجہ نے اپنے وطن کی خاطر آگ میں جل کر جان دے دی۔ وہ شہید ہو کر ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گئے اور اُنھیں شہادت کے بعد "ستارۂ جُرأت" کا اعزاز عطا ہُوا۔

ستارۂ جرأت کا اعزاز حاصل کرنے والے ایک اور شہید کا نام میجر خادم حسین ہے۔ میجر خادم حسین قصور کے قریب فوجی رسد لے کر جا رہے تھے۔ اس وقت اُنھوں نے دیکھا کہ ایک طرف سے دُشمن کے سپاہی آگے بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ اُنھوں نے دیکھا کہ قریب ہی پاکستان کی ایک توپ پڑی ہے اور اس کا توپچی شہید ہو چکا ہے۔ میجر خادم حسین بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ توپ کے قریب پہنچے اور تاک لگا کر ایک گولہ دُشمن کے ٹینک کی طرف چلایا۔ نشانہ ٹھیک بیٹھا اور ٹینک تباہ ہو گیا۔ دوسری مرتبہ ایک اور ٹینک کو نشانہ بنایا اور اُس کی دھجیاں اُڑا دیں۔ ایک اور ٹینک خادم حسین کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا جو انھیں کچلتا ہُوا آگے نکل گیا، لیکن دُشمن اپنے دو ٹینکوں کی تباہی سے اس قدر بوکھلا گیا تھا کہ اپنی بہت سی لاشیں چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہُوا۔ پاکستانی جیالوں نے بھاگتے ہوئے دُشمن کا پیچھا کر کے محاذ پر قبضہ کر لیا۔ دُشمن جیتی ہوئی بازی ہار گیا اور یہ سب کچھ تنہا میجر خادم حسین شہید کی جانبازی اور قربانی کا نتیجہ تھا۔ اس عظیم قربانی کے صِلے میں میجر خادم حسین کو ستارۂ جرأت کا اعزاز حاصل ہُوا۔

یہ داستان صرف تین بہادروں کی ہے۔ اسی طرح کے سینکڑوں جوان ہیں جنھوں نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے اور اعزاز حاصل کیے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ایک سو سے زائد جوانوں کو ستارۂ جرأت کا اعلیٰ اعزاز مِلا۔ ان میں سے تیس ایسے ہیں جنھوں نے جامِ شہادت نوش کیا اور اپنا نام ہمیشہ زندہ رہنے والوں کی فہرست میں لکھوا گئے۔

مشقیں

۱۔ غازی اور شہید میں کیا فرق ہے؟

۲۔ جو انعام فوجیوں کو اُن کی خدمات کے صِلے میں دیے جاتے ہیں اُن میں سب سے بڑے انعام کا کیا نام ہے؟

۳۔ میجر خادم حسین شہید کی شہادت کو آپ کس لیے ایک عظیم کارنامہ سمجھتے ہیں؟

۴۔ ذیل کے نامکمل جملوں کو مکمل کیجیے:

(i) بھارت نے ——— ہماری سر زمین پر حملہ کیا۔

(ii) میجر بلوچ نے نو گھنٹے تک دُشمن کی ——— کو روکے رکھا۔

(iii) بھارتی طیارے ــــــ شہریوں کو اپنا نشانہ بناتے۔

(iv) یونس حسن خواجہ نے زخمی ہو کر بھی اپنے ــــــ قائم رکھی۔

۵۔ ذیل کے الفاظ اور ترکیبوں سے جملے بنایئے:

اچانک - آہنی دیوار - پیش قدمی - نہتّا - کارکردگی - رابطہ قائم کرنا۔

۶۔ اس سبق میں تین جاں بازوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ کو اگر کسی اور غازی یا شہید کے حالات معلوم ہوں تو اپنے ساتھیوں کو سنایئے۔

۷۔ مندرجہ ذیل میں سے صِفت اور موصوف چُن کر الگ لکھیے:

پرانی روایت - مختلف محاذ - بہادر جوان - اندھیری رات - مُستحکم مورچہ - زیادہ تعداد - زخمی سپاہی۔

۸۔ درجِ ذیل الفاظ کے معنی اپنی کاپی میں لکھیے:

جاں باز - جان پر کھیل کر - رُوداد - اعزاز - آہنی دیوار - زد میں ہونا - شدید ضرب - شاہین صِفت - کارکردگی - رابطہ قائم کیا - منقطع - لَیس - سُرعت۔

۱۱- ہدایتیں

ایک کھیل

افراد۔ بشیر اور اس کا دوست حمید۔

منظر۔ (بشیر کے مکان کا ایک کمرہ۔ دیواروں پر تصویریں اور نقشے آویزاں ہیں۔ درمیان میں مطالعے کی میز ہے جس پر کتابیں اور کاپیاں رکھّی ہیں۔ سامنے تپائی کے دائیں بائیں دو کرسیاں پڑی ہیں۔ ایک کُرسی پر بشیر کی کالی بلّی لیٹی ہے۔ بشیر اور حمید یُوں کھڑے ہیں گویا حمید ابھی ابھی آیا اور چند ابتدائی باتیں کرنے پایا ہے۔)

بشیر : تو باغ سے لَوٹ کِتنی دیر میں آئیں گے؟

حمید : یہی کوئی تیسرے پہر تک۔

بشیر : (جیسے اپنے آپ سے) گویا دو اڑھائی گھنٹے میں۔

حمید : اور کیا (بلّی کرسی سے نیچے اترتی ہے) ارے اپنی بلّی کے گلے میں تُم نے گھنگرو باندھ دیا؟

بشیر : اچھی معلوم ہوتی ہے نا گھنگرو کی آواز؟

حمید : بہت! (بلّی کو بلاتا ہے) پُسی پُسی پُسی پُسی! (بلّی نہیں آتی) بھاگ گئی!

(حمید کرُسی پر بیٹھ جاتا ہے)

بشیر : تو میں ہاتھ مُنہ دھو کر اور کوٹ پہن کر ابھی آیا۔ (جاتے جاتے رُک کر) پر اتنی دیر تم کیا کرو گے؟ (میز کی طرف بڑھتے ہوئے) اخبار پڑھو۔ (میز پر دیکھتے ہوئے) کہاں گیا اخبار!

حمید : تُم اپنی امّاں جان کو میرے آنے کی خبر کر دیتے تو میں اتنے میں ان سے مِل لیتا۔

بشیر : (اخبار تلاش کرتے کرتے) اب ان سے مِل کر کیا کرو گے اس وقت؟

حمید : سلام بھی کر لوں گا، تمھیں اپنے ساتھ باغ لے جانے کی اجازت بھی مانگ لوں گا۔

بشیر : (حمید کو اخبار دیتے ہوئے) سلام تمھارا میں پہنچائے دیتا ہوں۔ باغ کا ذکر ان سے کرنے کی ضرورت نہیں۔ (جانے کے لیے مُڑتا ہے۔)

حمید : کیوں؟

بشیر : (رک کر) ہدایتیں دے دے کر پریشان کر ڈالیں گی۔

حمید : ہدایتیں کیسی ؟

بشیر : یہی کہ باغ میں کسی پیڑ پر نہ چڑھنا، گر پڑوگے۔ جوتے نہ اُتارنا کانٹا چبھ جائے گا۔ فلاں پھل نہ کھانا کھانسی ہو جائے گی۔ (پھر جانے کے لیے مڑتا ہے۔)

حمید : تو تم انہیں بے کار ہدایتیں سمجھتے ہو؟

بشیر : (رک کر) بے کار ہوں یا فائدہ مند، میرا سُن سُن کر دم اُلجھنے لگتا ہے۔

حمید : عجیب مزاج پایا ہے تم نے!

بشیر : اب میں دودھ پیتا بچہ ہوں کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو کی فہرستیں مجھے سُنائی جائیں ؟

حمید : پر اِس میں چڑنے کی کیا بات ؟ وہ جو کچھ بھی کہتی ہیں تمہارے بھلے کے لیے اور تمہاری محبت کے خیال سے کہتی ہیں۔

بشیر : میں باز آیا ایسی محبت سے۔

حمید : (اُٹھتے ہوئے) تو چلے کہاں ؟ ان کی اجازت کے بغیر میں تمہیں ساتھ نہ لے جاؤں گا۔

بشیر : مگر باغ کا قِصّہ ان سے چھیڑنے کا فائدہ کیا؟ انہیں سمجھنے دو کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے گھر جا رہا ہوں۔

حمید : یوں چوری چھپے جانا مجھے ناپسند ہے۔

بشیر : بھئی بڑی اُلٹی بات کرتے ہو بعض اوقات۔

حمید : اُلٹی بات کیوں۔ خیال ہے اپنا اپنا۔

بشیر : تو پھر ایک بات کہو۔ چلنا ہے یا نہیں ؟

حمید : جانے ہی دو (ٹوپی اٹھا کر) میں گھر چلتا ہوں۔

بشیر : گھر جانے کی ایسی کیا جلدی ہے۔ بیٹھو ذرا دیر۔

(بلّی آجاتی ہے)

حمید : (بلّی کو دیکھ کر) پُسی پُسی پُسی پُسی !

بشیر : اِدھر آؤ مانو۔ (بلّی کو خود اٹھا کر حمید کو دے دیتا ہے)

حمید : (بیٹھ کر محبّت سے بلّی کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا ہے) بلّی خوب موٹی تازی ہے تمہاری!

بشیر : دن رات اس کی خبرگیری جو کرتا ہوں۔

حمید : دن رات ؟

بشیر: اور کیا (بیٹھتے ہوئے) گھر پر میرا آدھا وقت تو اسی کی خدمت میں گزر جاتا ہے۔

حمید: (بلی کو دیکھتے ہوئے) اسے ایک دن کے لیے مجھے نہیں دے سکتے؟

بشیر: تمھیں؟ کیوں؟

حمید: میری چھوٹی بہن کو بلیوں کا بہت شوق ہے، وہ اس سے کھیل کر بہت خُوش ہوگی۔

بشیر: (تامل سے) دے تو دیتا مگر....

حمید: مگر کیا؟

بشیر: تم سے خبرگیری نہ ہوسکے گی اس کی۔

حمید: وہ کیوں؟ ہمارے ہاں بلیاں نہیں ہیں؟

بشیر: ہیں تو مگر.... میری بلی بڑے چاؤ چونچلوں کی پلی ہوئی ہے۔

حمید: تو دن بھر ہی کو تو لے جا رہا ہوں (کھڑے ہوکر) پرسوں صبح سکول جاتے وقت واپس دے جاؤں گا۔

بشیر: (فکرمندی سے) اور اگر بھاگ گئی تمھارے ہاں سے؟

حمید: کیا باتیں کرتے ہو۔ میری بہن اسے آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دے گی۔

(دروازے کی طرف بڑھتا ہے۔)

بشیر: (کھڑے ہوکر) اور پھر کُتا بھی تو ہے تمھارے ہاں، اُس نے پھاڑ کھایا تو!

حمید: (اطمینان بخشنے کے انداز میں) ارے نہیں۔ میں کُتے کو تمام وقت باندھ کر رکھوں گا۔ تو میں چل دیا۔

(چلتا ہے)

بشیر: مگر سنو تو.... (حمید مُڑکر دیکھتا ہے) کھانے کو کیا دوگے اسے؟

حمید: دودھ ڈبل روٹی۔

بشیر: دوپہر کو میں اسے تھوڑا سا گوشت بھی دیا کرتا ہوں۔

حمید: وہ بھی دے دیا جائے گا (حمید پھر جانے کے لیے مڑتا ہے)

بشیر: اور دیکھنا باسی گوشت نہ دے بیٹھنا کہیں، کھاتے ہی بیمار پڑ جائے گی۔

حمید: معلوم ہے بھائی معلوم ہے۔

بشیر: اور رات کو کسی ٹوکری میں گدیلا رکھ کر سُلانا۔

حمید: (مُڑکر) اور کوئی ہدایت؟

بشیر: (پریشانی کے عالم میں سوچتے ہُوئے) اور.... اور یہ کہ (لجاجت سے) بھیّا اِسے تو نہ ہی لے جاتے

تو اچھا ہوتا۔

حمید : (حیرانی سے) بھلے مانس! تو چھوٹتے ہی کیوں نہیں جواب دے دیا تھا!

بشیر : (شرمندگی سے) کیا کروں اسے نظر سے اوجھل کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

حمید : تو نہ سہی۔ نہیں لے جاتا میں (بلّی بشیر کو دے دیتا ہے) پر میں کہتا ہوں کہ اپنی پالتو بلّی کے تو ہدایات دے دے کر تم نے میرے کان کھا ڈالے اور سب ہدایتوں کے بعد بلّی لے جانے بھی نہ دی۔ اور جب تمھاری امّاں جان، جن کے تم پالتو جانور نہیں بلکہ لاڈلے بچّے ہو، آنکھوں سے اوجھل ہونے پر تمھیں ہدایتیں کرتی ہیں تو تمھارا دم اُلجھنے لگتا ہے؟

بشیر : اب میں ..... یعنی میں اور بلّی ..... میرا مطلب ہے کہ امّی جان تو ...

حمید : اب آئیں بائیں شائیں نہ کرو۔ بھلے مانسوں کی طرح اپنی غلطی مان لو۔

بشیر : (ذرا دیر بعد نظریں جھکا کر) ہے تو میری غلطی ہی۔

حمید : تو لوں اُن سے باغ لے جانے کی اجازت؟

بشیر : (اندر کو جاتے ہوئے) بھیجے دیتا ہوں۔

حمید : اب تو ان کی ہدایتیں بے جا نہیں معلوم ہوں گی؟

(بشیر مُسکرا کر انکار کے طور پر سر ہلاتا اور اندر بھاگ جاتا ہے۔)

(سیّد امتیاز علی تاج)

مشقیں

۱- اس کھیل کی کچھ عبارتیں بریکٹوں میں کیوں لکھی گئی ہیں؟

۲- اس کھیل کو کہانی کے طور پر لکھیے۔

۳- اس کھیل کے ان دو فقروں سے آپ کیا باتیں سیکھتے ہیں:

(ا) پر اتنی دیر تم کیا کرو گے؟ اخبار پڑھو۔

(ب) سلام بھی کر لوں گا۔ تمھیں اپنے ساتھ باغ لے جانے کی اجازت بھی تو مانگ لوں گا۔

۴- ماں باپ کی ہدایتیں آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہیں یا بُری؟ سچ سچ لکھیے اور جو کچھ آپ لکھیں اس کی وجہ بیان کریں۔

۵- اس مضمون کے بعض فِقروں کے الفاظ آگے پیچھے ایک خاص طرح لکھے گئے ہیں۔ مثلاً "میں ایسی محبّت سے باز آیا" کی جگہ لکھا گیا ہے "میں باز آیا ایسی محبّت سے۔" ایسا کیوں ہے ؟ ایسے تمام فِقروں کی فہرست بنائیے۔ ان کے الفاظ کو اپنی اپنی اصلی جگہ پر رکھیے اور پھر اُونچی آواز سے پڑھ کر غور کیجیے کہ ان الفاظ کی جگہ بدلنے سے فِقرے کے بولنے میں کوئی خاص لُطف پیدا ہوتا ہے یا نہیں ؟

۶- ہدایت کی جمع ہے ہدایتیں۔ مندرجہ ذیل لفظوں کی جمع لکھیے :

غلطی، فہرست - چونچلا - گدیلا - حرکت - تماشا۔

۷- ذیل کے الفاظ و محاورات کو اپنے جُملوں میں استعمال کیجیے :

ہدایت - افراد - ابتدائی - فہرستیں - خبرگیری کرنا - تامّل - لجاجت - دَم اُلجھنا - آئیں بائیں شائیں کرنا - چاؤ چونچلوں کی۔

۱۲۔ پاکستان کے پھل

برسات کا موسم تھا۔ بادل گِھر گِھر کر آتے، کبھی بوندا باندی ہو کر رہ جاتی اور کبھی موسلا دھار بارش ہونے لگتی۔ حامد میاں بارش کا یہ رنگ دیکھتے تو انہیں پچھلے سال کی بارش یاد آجاتی۔ اُن کا جی چاہتا تھا کہ اس سال بھی مِل کر سیر کو جائیں۔ آخر ایک دن اللہ میاں نے اُن کی یہ آرزو پوری کردی۔ اتوار کی ایک سہانی صبح تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور بادل ایک طرف سے دُوسری طرف بھاگے چلے جا رہے تھے۔ حامد میاں یہ منظر دیکھ کر خوش ہو رہے تھے کہ باہر سے پھیری والے کی آواز آئی "چُوس کے دیکھو، کھٹّا واپس"۔ حامد میاں کو آم بہت پسند تھا، آواز سُنی تو مچل گئے۔ بھاگے بھاگے ابّا جان کے پاس پہنچے اور فرمائش کردی:" ابّا جان آم والا آیا ہے"۔ ابّا جان نے راشدہ اور طاہرہ کی طرف دیکھا تو یُوں لگا جیسے وہ بھی خاموشی سے آموں کی فرمائش کر رہی ہیں۔ ابّا جان نے یہ دیکھا تو اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا "اچھا حامد میاں! اگر آم ہی کھانے ہیں تو چلو منڈی جا کر لائیں، اچھے بھی ہوں گے اور سستے بھی ملیں گے۔"

دونوں باپ بیٹا منڈی کی طرف چل دیے۔ وہاں پہنچے تو حامد کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ہر طرف آموں کے ٹوکروں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ لوگوں کا اتنا ہجوم کہ راہ چلنا دشوار تھا۔ لوگ دھڑا دھڑ ٹوکرے خریدے چلے جاتے تھے۔ رنگ رنگ کے آم دیکھ کر حامد میاں کے منہ میں پانی بھر آیا۔ کہیں چُوسنے والے آم تھے کہیں قلمی آموں کے کریٹ بھرے رکھے تھے۔ حامد نے حیران ہو کر پُوچھا: "ابّا جان! اتنے بہت سے آم اس جگہ کہاں سے آئے ہیں؟"

ابّا جان ہنس پڑے اور بولے: "بیٹے یہ ٹوکرے اور کریٹ جو تم دیکھ رہے ہو ان سب میں بھرے ہوئے آم ہمارے ہی ملک میں پیدا ہوتے ہیں اور یہ تو بہت تھوڑے سے ہیں اس سے کئی گنا آم تو ہم ہر روز پاکستان سے باہر بھیجتے ہیں جن سے ہمیں زرِمبادلہ حاصل ہوتا ہے۔"

"زرِمبادلہ کیا ہوتا ہے ابّا جان؟" حامد میاں نے جھٹ سوال کیا۔ "بیٹا یہ لمبی بات ہے، فُرصت کے وقت تمھیں تفصیل کے ساتھ بتائیں گے۔ فی الحال تو یہ بتاؤ کہ تمھیں کون سے آم پسند ہیں؟" حامد میاں نے لنگڑے آم کے ایک ٹوکرے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ابّا جان یہ آم آپ پہلے بھی لائے تھے۔ بڑے میٹھے ہوتے ہیں۔" ابّا جان نے کریٹ کی قیمت پُوچھی اور پُورا کریٹ خرید لیا۔

گھر پہنچے تو بچّوں نے ایک اور خواہش ظاہر کی۔" ابّا جان گھر کے اندر بیٹھ کر آم کھانے کا کوئی مزا

نہیں۔ ہم تو باغ میں جاکر کھائیں گے۔" تھوڑی سی بحث اور مشورے کے بعد باغ جناح میں جانے کا پروگرام بن گیا۔ بچوں نے جھٹ کپڑے بدل لیے۔ بیٹھنے کے لیے ایک دری اور چادر کے علاوہ ضرورت کی دُوسری چیزیں ساتھ لیں اور پُورا خاندان باغ جناح کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچے تو حامد میاں کے ابّا جان نے سبزے کے ایک کونے میں دری اور چادر بچھائی، سب اس پر بیٹھ گئے۔ آموں کا کریٹ کھولا گیا تو لنگڑے آموں کی بھینی بھینی خوشبو فضا میں پھیل گئی۔ امّی نے چھری نکالی اور ٹوکری میں سے چینی کی دو پلیٹیں نکال کر سامنے رکھ لیں۔ وہ آم کاٹ کاٹ کر پلیٹوں میں رکھتی جاتیں اور سب کھاتے جاتے۔ تھوڑی دیر میں سب کا پیٹ بھر گیا۔ سب نے جی بھر کر کھائے تھے، لیکن کریٹ میں آم اب بھی باقی تھے۔ طے یہ ہوا کہ پہلے باغ کی سیر کی جائے، باقی آم سیر کے بعد کھائے جائیں گے۔

سیر کو چلے تو حامد میاں کو ابّا جان کا لفظ "زرِ مبادلہ" یاد آگیا۔" ہاں ابّا جان! آپ نے کہا تھا تمھیں تفصیل کے ساتھ بتائیں گے کہ زرِ مبادلہ کیا ہوتا ہے۔ اب بتایئے نا۔" حامد نے کہا۔

"ہاں بیٹا سنو۔ تم یہ تو جانتے ہی ہو کہ کوئی مُلک اپنی ضرورت کی ساری چیزیں خُود پیدا نہیں کرسکتا۔ کوئی چیز اس کے پاس ضرورت سے کم ہوتی ہے، کوئی زیادہ۔ چنانچہ ہر ملک اپنی فالتو چیزیں دُوسرے مُلکوں کے ہاتھ بیچ دیتا ہے۔ اس تجارت سے جو روپیہ حاصل ہوتا ہے اسے زرِ مبادلہ کہتے ہیں۔ زرِمبادلہ کے معنی ہیں آپس کے لین دین سے حاصل ہونے والا روپیہ جو دوسرے ملکوں کو دیا جائے یا ان سے لیا جائے۔ تمھیں معلوم ہے کہ ہمارے ملک میں اللہ کے فضل سے پھل بہت پیدا ہوتے ہیں۔ ہم جتنے پھل کھا سکتے ہیں، کھا لیتے ہیں، باقی دوسرے ملکوں کو بھیج دیتے ہیں۔ اس کے بدلے میں ہم اپنی ضرورت کی چیزیں مثلاً مشینیں، سائنسی آلات وغیرہ دُوسرے ملکوں سے منگواتے ہیں۔"

"ابّا جان! ہم کون کون سے پھل دُوسرے ملکوں کو بھیجتے ہیں؟" حامد میاں نے سوال کیا۔

"بیٹا، پاکستان میں پھل تو بہت سے پیدا ہوتے ہیں مگر. . ."

"ابّا جان! میں بتاؤں" طاہرہ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔" آم، خربوزہ، انار، مالٹا، تربوز، انگور اور. . . ." "بس اتنے ہی یاد ہیں؟" راشدہ نے طنزاً کہا۔ اور پھر فخریہ لہجے میں بولی:

"اور جناب خوبانی، گرما، سردا، فالسہ اور آڑو کدھر گئے؟" "ہاں اِن کے علاوہ ناریل اور جامن آلو بخارا اور بیر بھی تو ہیں۔" طاہرہ کو پھر یاد آیا۔" اور سب سے عُمدہ پھل تو تم بھُول ہی گئے ہو. . . . کیلا۔" "ہاں بھئی مجھے تو کیلا بڑا پسند ہے۔" راشدہ بولی۔" اور کینُو اور سیب بھی تو ہیں۔" حامد میاں

نے فہرست میں اضافہ کر دیا۔

ابّا جان نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا: "ہاں، بچّو، پاکستان میں یہ سب پھل پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں بعض گرمیوں کے پھل ہیں مثلاً خربوزہ، تربوز، آم، آلو بخارا، آڑو وغیرہ اور بعض برسات کے موسم میں ہوتے ہیں، مثلاً سردا، گرما، ناشپاتی اور انگور اور بعض سردیوں میں ملتے ہیں مثلاً مالٹا، موسمّی، کِینو، کیلا، سیب وغیرہ۔"

"مگر ابّا جان سیب تو پُورے سال دکانوں پر رہتے ہیں۔ پھر آپ انہیں سردیوں کا پھل کیوں کہتے ہیں؟" حامد نے پُوچھا۔ ابّا جان نے کہا "تُم نے بہت اچھا سوال کیا۔ بات یہ ہے کہ ہم پھلوں کو سردخانوں میں رکھ کر انہیں دیر تک محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ اسی سہولت کی وجہ سے ہمیں بے موسم کے پھل بھی سارا سال ملتے رہتے ہیں اور دیکھو ایک بات اور بھی یاد رکھو، پھل یوں تو بہت سے علاقوں میں پیدا ہوتے ہیں، لیکن خاص خاص جگہوں کے خاص خاص پھل مشہور ہیں۔" "ہاں ابّا جان، پھیری والے کوئٹے کا گرما اور کشمیر کے سیب کہا کرتے ہیں۔" حامد نے اپنی معلومات پر فخر کرنے کے انداز میں کہا۔ "جی ہاں، اسی طرح مُلتان کے علاقے کے آم اور کھجوریں اور ساہیوال کے علاقے کے کینو اور مالٹے بہت مشہور ہیں۔" ابّا جان نے کہا۔

"لیکن ابّا جان، یہ پھل دوسرے ملکوں کو کیسے بھیجے جاتے ہیں؟" طاہرہ نے پوچھا۔ ابّا جان نے کہا: "بیٹی، بعض لوگ پھلوں کو باہر بھیجنے کا کاروبار کرتے ہیں، جسے برآمد کا کاروبار کہتے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ کام ہے کہ باہر کے مُلکوں کے گاہکوں سے خط وکتابت کرتے اور ان کی فرمائش کے مطابق چیزیں انہیں بھیجتے رہتے ہیں۔ یوں تو عام مال بحری جہازوں سے بھیجا جاتا ہے لیکن پھل چونکہ خراب ہونے والی چیز ہے اس لیے یہ زیادہ تر ہوائی جہازوں میں یا قریب کے ملکوں میں خُشکی کے راستے ٹرکوں کے ذریعے بھیجے جاتے ہیں۔ ہمارے پھلوں میں سے آم، کیلے، مالٹے، کینو، تربوز، خربوزے، ناشپاتی، انار، انگور، خوبانی اور سیب وغیرہ برآمد کیے جاتے ہیں۔ اور بچّو، تمھیں معلوم ہے پھل برآمد کرنے سے کتنا روپیہ ملتا ہے؟ ان پھلوں کا وزن ہزاروں کوئنٹل اور ان کی قیمت لاکھوں روپوں تک جا پہنچتی ہے؟"

"تب تو میں بڑا ہو کر یہی کاروبار کروں گا۔" حامد میاں بول اُٹھے۔ ابّا جان نے کہا: "ہاں بھئی کر لینا، لیکن اب ذرا کھیل کُود کر اور باغ میں گھوم پھر کر اپنے آم ہضم کر لو۔ پھر تھوڑی دیر میں بچے ہوئے آم کھا کر گھر چلیں گے۔"

مشقیں

۱۔ جواب دیجیے :

(i) منڈی میں حامد نے کیا دیکھا کہ اس کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں ؟

(ii) حامد کے والد نے زرِمبادلہ کا کیا مطلب بتایا تھا ؟

(iii) زرِمبادلہ ہمارے کس کام آتا ہے ؟

(iv) پھل ہوائی جہاز کے ذریعے باہر کے ملکوں کو کیوں بھیجے جاتے ہیں ؟

(v) ہمیں بے موسم کے پھل بھی کیوں آسانی سے مل جاتے ہیں ؟

۲۔ ذیل کے محاوروں سے جُملے بنایئے :

مچل جانا ۔ فرمائش کرنا ، آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ جانا ، منہ میں پانی بھر آنا ۔

۳۔ ذیل کے لفظوں میں کون سے مذکّر ہیں اور کون سے مؤنث :

سیر ۔ منظر ۔ ڈھیر ۔ ملک ۔ قیمت ۔ فرمائش ۔ ضرورت ۔ لُطف ۔

۴۔ سبق میں سے پانچ اسم مشتق اور پانچ اسم جامد چُن کر اپنی کاپی میں لکھیے ۔

۵۔ مندرجہ ذیل الفاظ صِفت ہیں ، ان کے ساتھ مناسب موصوف لکھیے :

ٹھنڈی ۔ سستے ۔ لمبی ۔ فالتو ۔ عمدہ

۱۳- رحمتِ عالَم

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا   مُرادیں غریبوں کی بَر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا   وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ

خطا کار سے درگُزر کرنے والا   بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا   قبائل کا شِیر و شکر کرنے والا

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مسِ خام کو جس نے کُندن بنایا   کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا   پلٹ دی بس اِک آن میں اُس کی کایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

(حالی)

مشقیں

۱- عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا   پلٹ دی بس اِک آن میں اس کی کایا
اس شعر کی نثر بنائیے۔

۲- مفاسد اور قبائل کن لفظوں کی جمع ہیں۔

۳- نُسخۂ کیمیا سے یہاں کیا مراد ہے؟

۴- مسِ خام- کُندن- قرنوں- جہل- مَلجا- ماویٰ- خطاکار- بد اندیش- مفاسد- قبائل کے معنی لکھیے۔

۵- غم کھانا- کام آنا- بَر لانا- درگزر کرنا- دل میں گھر کرنا- زیر و زبر کرنا- شِیر و شکر کرنا- کایا پلٹنا- ہوا کا رُخ پھیرنا۔ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

۶- مُرادیں- غم- جہل- کایا- رُخ: ان لفظوں میں سے کون سا لفظ مذکر اور کون سا مؤنث ہے؟ جن مصرعوں میں یہ لفظ آئے ہیں انھیں دوبارہ پڑھیے اور بتایئے کہ انھیں پڑھ کر کس طرح پتا چلتا ہے کہ کونسا لفظ مذکر اور کونسا مؤنث ہے؟

۱۴۔ قائدِ اعظمؒ کا پیغام

پاکستان کے قیام کے بعد قائدِ اعظمؒ صرف ایک سال اور چند دن زندہ رہے، لیکن اس مختصر مدّت میں ان کی زندگی کا ہر لمحہ پاکستان کے استحکام کی کوششوں میں صرف ہُوا۔ انھیں کوششوں میں ان کے وہ بے شمار پیغام بھی شامل ہیں جو اُنھوں نے اہلِ پاکستان کو مختلف اہم موقعوں پر دیے۔ قائدِ اعظمؒ نے اپنے پیغامات میں جو باتیں ہم سے کہی ہیں وہ سب ایسی ہیں جو زندگی کے رہنما اصُول کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان رہنما اصولوں میں سب سے پہلا یہ ہے کہ اگر ہم پاکستان کو ترقّی کی راہوں پر گامزن دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں کام کرنا ہوگا، جدّ وجہد کرنا ہوگی اور قربانیاں دینا ہوں گی۔ اسی طرح کا ایک پیغام قائدِ اعظمؒ نے قیامِ پاکستان کے فوراً بعد یعنی پہلے جمعۃ الوداع کے موقع پر دیا۔ قائدِ اعظمؒ نے اس موقع پر فرمایا:

"پاکستان کی سرزمین میں زبردست خزانے چھپے ہوئے ہیں مگر اس کو ایسا ملک بنانے کے لیے جو ایک مسلمان قوم کے رہنے سہنے کے قابل ہو، ہمیں اپنی قوّت اور محنت کے زبردست ذخیرے کا ایک ایک ذرّہ صرف کرنا پڑے گا اور مجھے امید ہے کہ تمام لوگ اس کی تعمیر میں دل وجان سے حصّہ لیں گے۔"

جمعۃ الوداع کے بعد پاکستانیوں کی پہلی عید تھی اور مُسلمانوں کے لیے اس عید میں دوہری خُوشی تھی۔ ایک خُوشی تو وہ جو عید کے دن ہر مُسلمان کو ہوتی ہے اور دُوسری خُوشی اس آزادی کی جو مُسلمانوں کو ہزاروں آزمائشوں میں سے گزر کر حاصل ہوئی تھی۔ قائدِ اعظمؒ نے اس دن اہلِ پاکستان کو جو پیغام دیا اس کے الفاظ یہ ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ ہم نے پاکستان حاصل کر لیا ہے لیکن یہ تو محض آغاز ہے۔ اب بڑی بڑی ذمّہ داریاں ہمارے کندھوں پر آن پڑی ہیں اور جتنی بڑی ذمّہ داریاں ہیں، اتنا ہی بڑا ارادہ، اتنی ہی عظیم جدوجہد کا جذبہ ہم میں پیدا ہونا چاہیے۔ پاکستان حاصل کرنے کے لیے جو قربانیاں دی گئیں، جو کوششیں کی گئیں، پاکستان کی تشکیل و تعمیر کے لیے بھی کم از کم اتنی ہی قربانیوں اور کوششوں کی ضرورت پڑے گی۔ حقیقی معنوں میں ٹھوس کام کا وقت آ پہنچا ہے اور مجھے پُورا یقین ہے کہ مُسلمانوں کی ذہانت و فطانت اس بارِ عظیم کو آسانی سے برداشت کرے گی اور بظاہر پیچیدہ اور دشوار گزار راستے کی تمام مشکلات کو آسانی سے طے کر لے گی۔"

کسی عظیم مقصد کا حصُول عظیم قربانیوں کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ قوم کو عید الاضحیٰ کا پیغام



قائد اعظم محمّد علی جناح رح

دیتے ہوئے قائدِ اعظمؒ فرماتے ہیں :

"ہم جتنی زیادہ تکلیفیں سہنا اور قربانیاں دینا سیکھیں گے اتنا ہی زیادہ پاکیزہ، خالص اور مضبوط قوم کی حیثیت سے ہم اُبھریں گے، جیسے سونا آگ میں تپ کر کندن بن جاتا ہے۔"

پاکستانیوں کو عمل، ایثار اور فرض شناسی کا پیغام دیتے وقت ان کا خطاب عموماً پوری قوم سے ہوتا تھا، لیکن کبھی کبھی ایسے مواقع بھی پیدا ہو جاتے تھے جب انھیں معاشرے کے ایک خاص طبقے سے خطاب کرنے کی ضرورت پیش آجاتی تھی۔ چنانچہ فروری ۱۹۴۸ء میں انھوں نے افسرانِ حکومت سے خطاب کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے :

"ایمانداری اور خلوصِ دل سے کام کیجیے، کام اور زیادہ کام۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے ضمیر سے بڑی کوئی قوّت رُوئے زمین پر نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جب آپ خُدا کے رُوبرو پیش ہوں تو آپ پُورے اعتماد سے کہہ سکیں کہ میں نے اپنا فرض انتہائی ایمانداری، وفاداری اور صمیمِ قلب سے انجام دیا ہے۔"

طلبہ اور مُلک کے نوجوان قائدِ اعظمؒ کو بے حد عزیز تھے۔ وہ طلبہ کو قوم کے مستقبل کا معمار اور اس کی اعلیٰ اقدار کا امین سمجھتے تھے۔ ان کے ارشادات اور خطبات میں سے کئی ایسے ہیں جن میں مختلف طریقوں سے طلبہ کو ان کی ذمّہ داریوں کا احساس دلایا گیا ہے۔ قائدِ اعظمؒ نے ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو طلبہ کے ایک وفد سے فرمایا :

"پاکستان کو اپنے جوانوں اور بالخصوص طلبہ پر فخر ہے جو آزمائش اور ضرورت کے وقت ہمیشہ صفِ اوّل میں رہے ہیں۔ آپ مستقبل کے معمارِ قوم ہیں، اس لیے جو مُشکل کام آپ کے سر پر پڑا ہے اس سے نمٹنے کے لیے اپنی شخصیت میں نظم و ضبط پیدا کیجیے۔ مناسب تعلیم اور مناسب تربیت حاصل کیجیے۔ آپ کو پورا پُورا احساس ہونا چاہیے کہ آپ کی ذمّہ داریاں کتنی زیادہ اور کیسی شدید ہیں اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہر وقت تیّار اور مستعد رہنا چاہیے۔"

برِّصغیر کے مسلمانوں نے جب پاکستان کا مطالبہ کیا تو اُن کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ اس نئے ملک میں صحیح اسلامی زندگی بسر کر سکیں۔ قائدِ اعظمؒ نے حصولِ پاکستان کے اس بنیادی مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جنوری ۱۹۴۸ء میں اسلامیہ کالج پشاور کے طلبہ سے فرمایا تھا :

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔"

اسلام ایک مکمّل ضابطۂ حیات ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں کراچی کے وکیلوں کو مخاطب کرتے ہوئے قائدِ اعظمؒ نے فرمایا:

"اسلام محض رسوم، روایات کا مجموعہ نہیں ہے۔ اسلام ہر مسلمان کے لیے ضابطۂ حیات بھی ہے جس کے مطابق وہ اپنی روزہ مرّہ زندگی میں عمل پیرا ہوتا ہے۔ اسلام سب انسانوں کے لیے انصاف، رواداری، شرافت، دیانت اور عزّت کے اعلیٰ ترین اصولوں پر مبنی ہے۔ صرف ایک خدا کا تصوّر اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ اسلام میں انسان انسان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مساوات، آزادی اور اخوت اسلام کے سیاسی اصول ہیں۔"

رسول اللہؐ کا اخلاق اور عمل ہمارے لیے عمل کا بہترین نمونہ ہے۔ قائدِ اعظمؒ نے یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رکھی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذاتِ اقدس کو ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے آپؐ کی شخصیّت کے مختلف پہلوؤں کا ذکر انتہائی عقیدت و احترام سے یوں فرمایا:

"آج ہم یہاں دُنیا کی عظیم ترین ہستی کو نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ آپؐ کی عزّت و تکریم کروڑوں عام انسان ہی نہیں کرتے بلکہ دُنیا کی تمام عظیم شخصیّتیں آپؐ کے سامنے سر جُھکاتی ہیں۔ میں ایک عاجز ترین، انتہائی خاکسار، بندۂ ناچیز ایسی عظیم ترین ہستی کو بھلا کیا اور کیسے نذرانۂ عقیدت پیش کر سکتا ہوں۔ رسولِ اکرمؐ عظیم مُصلح تھے، عظیم رہنما تھے، عظیم واضعِ قانون تھے، عظیم سیاستدان تھے، عظیم حکمران تھے۔"

پاکستان کے قیام کے بعد ابتدائی چند مہینے پاکستانیوں کے لیے بڑی آزمائش کے مہینے تھے۔ انہیں آزمائش کے مہینوں میں اُنھوں نے اپنے آزاد ملک میں اپنی پہلی عید اور پہلی بقرعید منائی۔ پہلی بقرعید کے موقع پر قائدِ اعظمؒ نے اپنی قوم کو جو پیغام دیا وہ حوصلے، اُمید اور یقین کا پیغام ہے:

"خدا جن لوگوں سے محبّت کرتا ہے، اُن کو امتحان اور آزمائش میں بھی ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حُکم دیا کہ جو شے آپ کو سب سے زیادہ عزیز ہو اُس کی قُربانی دیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے حُکمِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے عزیز بیٹے کی قربانی پیش کی۔ آج بھی خداوندِ کریم پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کا امتحان لے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سب سے بہت ہی بڑی بڑی قُربانیاں طلب کی ہیں۔ ہماری نوزائیدہ مملکت دُشمنوں کے لگائے ہوئے زخموں سے چُور ہے۔ ہندوستان میں ہمارے مسلمان بھائیوں پر ظلم توڑے جا رہے ہیں اور بدلے لیے جا رہے ہیں۔ محض اِس

وجہ سے کہ وہ مسلمان ہیں اور انھوں نے پاکستان کے قیام میں مدد دی تھی ۔ تاریک بادلوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے مگر ہم اُن کے خوف سے رُک نہیں سکتے ۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اگر ہم نے قربانی کا وہی جذبہ پیش کیا جیسا حضرت ابراہیمؑ نے کیا تھا تو مصیبتوں کے بادل چھٹ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کی طرح ہم پر بھی اپنی رحمتوں کی بارش کرے گا۔"

خدا کا شکر ہے کہ قائدِ اعظمؒ نے جو کچھ کہا تھا وہ پورا ہوا اور ہم مصائب کی تاریکیوں میں سے کامران ہو کر نکلے۔

مشقیں

۱ - جواب دیجیے :

(i) قائدِ اعظمؒ نے اپنے پیغامات میں کام کرنے پر اس قدر زور کیوں دیا ہے ؟

(ii) پہلی عید کے موقع پر مسلمانوں کو دوہری خوشی کیوں تھی ؟

(iii) کسی بڑے مقصد کے حصول کے لیے ہمیں کیا کرنا پڑتا ہے ؟

(iv) طالب علموں اور نوجوانوں کے متعلق قائدِ اعظمؒ کی کیا رائے تھی ؟

۲ - ذیل کی ترکیبوں میں سے صفت اور موصوف الگ کیجیے :

بڑی بڑی ذمہ داریاں ۔ عظیم جدّوجہد ۔ مختصر مدّت ۔

۳ - خالی جگہوں کو پُر کر کے جملے مکمّل کیجیے :

(i) اسلام ایک ــــــ ضابطۂ حیات ہے ۔

(ii) صرف ایک ــــــ کا تصوّر اسلام کا بنیادی اصول ہے۔

(iii) رسُول اللہ کا اخلاق ہمارے لیے عمل کا بہترین ــــــ ہے۔

۴ - ضمیر وہ لفظ ہے جسے اسم کی جگہ استعمال کرتے ہیں ، مثلاً احمد کل یہاں آیا تھا۔ وہ دو گھنٹے یہاں رہا۔ اس جگہ 'وہ' کا لفظ ضمیر ہے ۔ اِسی طرح مَیں ، ہم ، تُم بھی ضمیر ہیں ۔ سبق میں سے کچھ ضمیر چُن کر کاپی میں لکھیے۔

۵ - رہنما اصول ۔ جدّوجہد ۔ محض ۔ تشکیل ۔ بارِ عظیم ۔ حصُول ۔ کُندن ۔ ایثار ۔ اخلاص مندی ۔ صمیمِ قلب ۔ اقدار ۔ ضابطۂ حیات ۔ عقیدت ۔ مُصلح ۔ سرِ تسلیم خم کرنا ۔ زخموں سے چُور ۔ تاریک ۔ مصائب کے معنی اپنی کاپی میں لکھیے۔

۱۵۔ اقوامِ مُتّحدہ

اب سے کوئی چالیس، اکتالیس برس پہلے دُنیا میں ایک خوفناک جنگ شروع ہوئی۔ یہ دُنیا کی دُوسری بڑی جنگ تھی۔ اس جنگ نے دُنیا کے بہت سے مُلکوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کی وجہ سے سرسبز و شاداب ملک بھی ویرانوں میں تبدیل ہو گئے۔ بڑے بڑے خوب صُورت شہر کھنڈر بن گئے۔ بلند عمارات ملیا میٹ ہو گئیں۔ لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں۔ ہزاروں سپاہی مارے گئے۔ یہ جنگ چھ برس تک جاری رہی۔ لوگ اس سے تنگ آ گئے اور آخر دُنیا کی تمام قومیں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئیں کہ ہمیں اپنے جھگڑے جنگ سے نہیں، بلکہ بات چیت سے طے کرنا چاہییں۔ ہمیں امن اور سلامتی سے رہنا چاہیے۔

۱۹۴۵ء میں امریکہ کے ایک بڑے شہر سان فرانسِسکو میں دُنیا کے پچّاس ملکوں کے نمایندے جمع ہوئے اور سب مل کر یہ سوچنے لگے کہ دُنیا میں امن کیسے قائم ہو۔ ایک مستقل اور پایدار امن، تاکہ دُنیا آیندہ جنگ کی تباہی سے محفوظ رہ سکے۔ ان نمایندوں نے بڑی سوچ بچار کے بعد ایک انجمن بنانے کا فیصلہ کیا اور اس انجمن کا نام "اقوامِ متّحدہ" رکھا۔ جن پچّاس مُلکوں کے نمایندے اس وقت موجود تھے وہ مُلک فوراً اس انجمن کے رُکن بن گئے۔ اُنھوں نے باقی مُلکوں کو بھی اس کا رُکن بننے کی دعوت دی۔ آہستہ آہستہ دُنیا کے بہت سے اور مُلک اس انجمن میں شامل ہو گئے۔

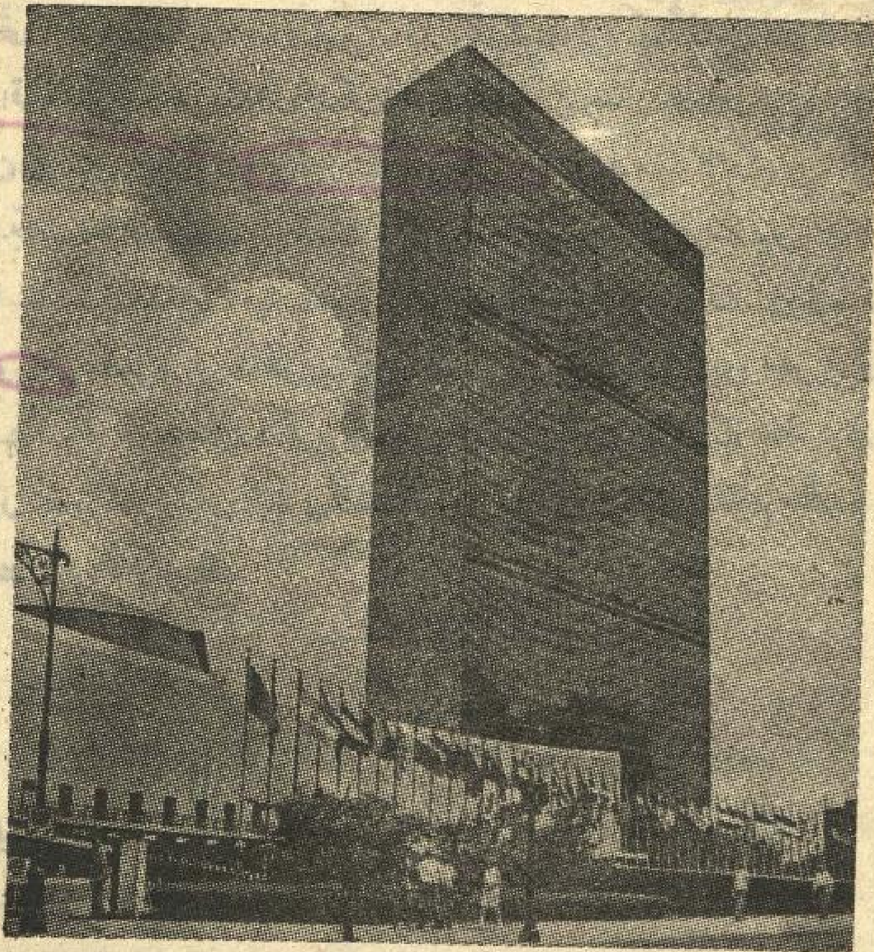
آج دُنیا کے ایک سو چالیس سے زیادہ ملک اس انجمن کے رُکن ہیں۔ شروع میں اقوامِ متّحدہ کا اصل مقصد صرف یہ تھا کہ تمام مُلک امن اور سلامتی سے رہیں۔ قومیں آپس میں دوستی کے تعلّقات بڑھائیں۔ اگر دو مُلکوں کا کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو یہ ملک اقوامِ متّحدہ کی مدد سے اس جھگڑے کا فیصلہ کرلیں، تاکہ جنگ کی نوبت نہ آئے۔ تمام مُلک ایک دُوسرے کی آزادی کا احترام کریں۔ لیکن آج اقوامِ متّحدہ کے سامنے چند مقاصد اور بھی ہیں۔ ایک یہ کہ دُنیا سے بُھوک اور غُربت کو ختم کیا جائے۔ دُوسرا یہ کہ جہالت کا خاتمہ ہو۔ تیسرا یہ کہ دُنیا سے ہر قسم کی بیماری کا قلع قمع کیا جائے۔

اقوامِ متّحدہ کے کاموں میں سب مُلک رضاکارانہ طور پر حصّہ لیتے ہیں۔ ملک چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب، اس انجمن میں سب کے حقوق برابر ہیں۔ ہر ملک کا ایک ووٹ ہے اور تمام فیصلے کثرتِ رائے سے ہوتے ہیں۔ ہاں اگر معاملہ بہت اہم ہو تو فیصلے کے لیے دو تہائی ووٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اقوامِ متّحدہ کا صدر مقام نیویارک میں ہے جہاں تقریباً پانچ ہزار آدمی اس انجمن کو چلاتے ہیں۔

اقوامِ متحدہ کے وسیع پروگرام کو چلانے کے لیے بہت سے ادارے قائم کیے گئے ہیں، ان کا سب سے بڑا ادارہ جنرل اسمبلی ہے۔ یہ اسمبلی دُنیا میں امن قائم کرنے میں مدد دیتی ہے۔ اس کا اجلاس عام طور پر سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے جس میں بڑے بڑے اہم فیصلے ہوتے ہیں۔

اقوامِ متحدہ کا ایک اور ادارہ سلامتی کونسل ہے۔ دُنیا کے پانچ بڑے ملک امریکہ، رُوس، برطانیہ، فرانس اور عوامی جمہوریہ چین اس کے مُستقل رکن ہیں۔ ان کے علاوہ اس کے دس رکن اور ہوتے ہیں جن کا انتخاب جنرل اسمبلی کرتی ہے۔ سلامتی کونسل کا کام دُنیا میں جنگ روکنا ہے اور اگر کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے تو یہ ادارہ اس کا فیصلہ کراتا ہے۔ سلامتی کونسل کا دفتر بھی نیویارک میں ہے۔

اقوامِ متحدہ کے اور بھی بہت سے ادارے ہیں۔ ان اداروں نے دُنیا کے لوگوں کے لیے بڑے مفید کام کیے ہیں اور مسلسل کر رہے ہیں۔ مثلاً عالمی ادارۂ خوراک اور زراعت جو کھیتی باڑی، ماہی گیری اور جنگلات کی پیداوار میں اضافہ کر کے دُنیا سے خوراک کی قِلّت کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جہاں



کہیں بھی خوراک کی قلّت ہوتی ہے، سیلاب آتے ہیں یا قحط پڑتا ہے' یہ ادارہ وہاں فوراً مدد کے لیے پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح عالمی ادارۂ صحت نے دُنیا سے بیماری ختم کرنے کے لیے بہت سے منصوبے بنا رکھے ہیں اور اس کی کوشش سے بہت سے ملکوں کو ملیریا، تپ دق اور ہیضے جیسے موذی امراض سے نجات ملتی جا رہی ہے۔

یونیسکو کا نام کس نے نہیں سُنا' یہ بھی اقوامِ متحدہ ہی کا ادارہ ہے۔ اس کا مقصد دُنیا سے جہالت کو مٹانا اور تعلیم کو پھیلانا ہے۔ اس کی کوششوں سے دُنیا کے بہت سے ملکوں میں علم کی روشنی پھیل رہی ہے۔ اقوامِ متحدہ نے بچّوں کی بہتری کے لیے بھی بڑا کام کیا ہے۔ اس نے یُونی سف کے نام سے بچّوں کے لیے ایک فنڈ قائم کر رکھا ہے۔ اس فنڈ میں سب مُلک چندہ دیتے ہیں۔ اس چندے سے بچّوں کو خشک دودھ مہیّا کیا جاتا ہے تاکہ وہ تندرست اور توانا رہیں۔ بچّوں کی تعلیم کے لیے سہولتیں مہیّا کی جاتی ہیں تاکہ تعلیم کا معیار بہتر ہو۔

اقوامِ متحدہ کے سب ادارے ہماری بہتری اور ترقی کے لیے قائم کیے گئے ہیں۔ ان اداروں کو سب مُلک مِل جُل کر چلاتے ہیں۔ اقوامِ متحدہ قوموں کے مِل جُل کر رہنے کی ایک بہترین مثال ہے۔ یہ ادارہ امن اور سلامتی' اتّفاق اور اتحاد کا نشان ہے۔ اس ادارے نے اپنی تیس سالہ زندگی میں بڑے مفید کام کیے ہیں۔ اگرچہ دُنیا میں اب بھی جھگڑے باقی ہیں۔ بھوک' افلاس' بیماری اور جہالت کو پُوری طرح سے نہیں مٹایا جا سکا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اقوامِ متحدہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں۔ اقوامِ متحدہ نے اپنی طاقت اور وسائل کے مطابق بہت کام کیا ہے۔ اسے اور بھی مضبوط اور طاقتور بنانے کی ضرورت ہے تاکہ یہ اور بھی زیادہ کام کر سکے۔ یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اقوامِ متحدہ کے پروگراموں کی حمایت کریں۔ اس کے منصُوبوں میں دلچسپی لیں۔ اس کے کارناموں سے باخبر رہیں۔ بچّوں کے فنڈ میں چندہ دیں تاکہ اقوامِ متحدہ بچّوں کی بہتری کے لیے زیادہ سے زیادہ کام کر سکے۔

مشقیں

ان سوالات کے جواب دیجیے :

(ا) اقوامِ متحدہ کے کیا معنی ہیں ؟

(ب) اقوامِ متحدہ کی انجمن کیوں بنائی گئی ؟

(ج) اقوامِ متحدہ کے ادارے کس طرح کام کرتے ہیں ؟

(د) جو ادارہ بچّوں کی بہتری کے لیے کام کرتا ہے اس کا نام کیا ہے ؟

(ہ) ہم اقوامِ متحدہ کے کاموں میں کس طرح حصّہ لے سکتے ہیں ؟

۲۔ آپ اپنی جماعت کی ایک ایسی انجمن بنائیں جو جماعت کے لیے مفید کام کرے۔

۳۔ ان لفظوں کے معنی لغت میں تلاش کیجیے :

اقوام ۔ ملیامیٹ ۔ پایدار ۔ مستقل ۔ قلع قمع ۔ اہم ۔ وسیع ۔ مُوذی ۔ کارکن ۔ حمایت ۔

۴۔ ان لفظوں کے واحد لکھیے :

اقوام ۔ امراض ۔ مقاصد ۔ ادارے ۔ تعلّقات ۔ حقوق ۔

۵۔ اس سبق کے پہلے صفحے پر استعمال ہونے والے اسم معرفہ اور اسم نکرہ الگ الگ لکھیے۔

۶۔ مندرجہ ذیل کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے :

ملیامیٹ کرنا ۔ مقاصد ۔ رُکن ۔ سوچ بچار ۔

۷۔ اعراب لگا کر تلفّظ واضح کیجیے :

مجبور ۔ مستقل ۔ امن ۔ اجلاس ۔ مسلسل ۔ جہالت ۔ تندرست ۔ معیار ۔ اتفاق ۔

مہیّا ۔ مطابق ۔ حمایت ۔

۱۶۔ میلہ مویشیاں

ایک دن خالد اپنے ابّا جان کے ساتھ سیر کے لیے شہر سے باہر نکلا تو اس نے کچھ لوگوں کو بہت سے مویشی ہانک کرلے جاتے ہوئے دیکھا۔

اُسے اتنے بہت سارے مویشی دیکھ کر تعجب ہُوا۔ اُس نے اپنے ابّا جان سے پُوچھا کہ یہ لوگ اتنی گائے بھینسیں کہاں لیے جارہے ہیں؟ ابّا جان نے جواب دیا کہ اِن دِنوں میلہ مویشیاں لگا ہُوا ہے اور یہ لوگ اپنی گائیں اور بھینسیں وہیں لیے جارہے ہیں۔ خالد نے اس سے پہلے میلہ مویشیاں کا نام نہیں سُنا تھا۔ اُس نے کہا: "ابّا جان! یہ میلہ مویشیاں کہاں ہوتا ہے اور یہ گائے بھینسیں اُسے دیکھنے کیوں جارہی ہیں؟" ابّا جان خالد کی بات سُن کر ہنس پڑے اور بولے: "نہیں بیٹے! یہ گائے بھینسیں میلہ دیکھنے نہیں جارہی ہیں۔ اصل میں لوگ ان جانوروں کو بیچنے کے لیے لے جارہے ہیں۔ میلہ مویشیاں جس کا مطلب ہے جانوروں کا میلہ، اسی مقصد کے لیے لگتا ہے۔ تمھیں معلوم ہے کہ ہمارے ملک کی اَسّی فی صد آبادی کا گزارا کھیتی باڑی پر ہے اور کھیتی باڑی میں زیادہ تر مویشی ہی کام آتے ہیں۔ کاشتکاروں کو وقتاً فوقتاً مویشیوں کی خرید و فروخت کی ضرورت پیش آتی ہے، جسے پُورا کرنے کے لیے یہ میلہ لگایا جاتا ہے۔"

خالد: لیکن ابّا جان! ہمارے ماسٹر صاحبؒ نے تو یہ بتایا تھا کہ اب کھیتی باڑی مشینوں اور ٹریکٹروں کے ذریعے ہوتی ہے!

ابّا جان: تمھارے ماسٹر صاحب نے درست کہا تھا، لیکن ہمارے ملک میں ہمیشہ سے کھیتی باڑی کا کام جانوروں سے لیا جاتا رہا ہے اور اگرچہ اب اس کام کے لیے مشینیں اور ٹریکٹر بھی استعمال ہونے لگے ہیں، تاہم ابھی کسانوں کی بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو ہل چلانے کے لیے بیلوں ہی سے کام لیتی ہے۔ اس کے علاوہ دودھ کے لیے گائے بھینسیں، گوشت کے لیے بھیڑ بکریاں اور سواری کے لیے اونٹ اور گھوڑے بھی درکار ہوتے ہیں۔

باتیں کرتے کرتے خالد اور اُس کے ابّا بہت دُور نِکل آئے تھے۔ ابّا جان نے کہا: "بیٹے! ہم چلتے چلتے اِس جگہ کے قریب آ گئے ہیں جہاں میلہ لگتا ہے۔ آؤ تمھیں میلہ دکھا ہی لائیں۔" خالد یہ سُن کر بہت خُوش ہُوا۔ اُس کے ابّا جان اُسے لے کر اس طرف کو چلنے لگے جدھر لوگ مویشیوں کو لیے جارہے تھے۔ تھوڑی دیر میں دونوں اس میدان کے قریب پہنچ گئے جہاں میلہ لگا ہوا تھا۔

خالد اس سے پہلے بھی اس میدان کی طرف آیا تھا۔ اُس میدان میں اُس نے بچّوں کو کھیلتے دیکھا تھا لیکن آج تو وہاں کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔

ذرا آگے بڑھے تو خالد نے گانوں کی آواز سُنی۔ اُس نے کہا: "ابّا جان! کیا میلے میں ناچ گانے بھی ہوتے ہیں؟" ابّا جان نے جواب دیا: "یہ آواز جو تم سُن رہے ہو اُن ریکارڈوں کی ہے جو دکاندار اپنی دکانوں پر بجا رہے ہیں۔ دکاندار گاہکوں کو اپنی طرف متوجّہ کرنے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ وہ دیکھو سامنے ایک ہوٹل ہے۔ یہ آواز اسی ہوٹل سے آ رہی ہے۔"

خالد نے دیکھا کہ سامنے ایک بڑا سا خیمہ لگا ہوا ہے۔ اُس نے پوچھا: ابّا جان! وہ بڑا سا خیمہ کیسا ہے؟

ابّا جان: یہ خیمہ تھیٹر والوں نے لگایا ہُوا ہے۔ ابھی تو دن کا وقت ہے، شام ہوگی تو تھیٹر والے اپنا تماشا شروع کریں گے۔ دن کے وقت لوگ خرید و فروخت میں لگے رہتے ہیں! شام کو فُرصت ہوتی ہے تو تفریح کی طرف توجّہ کرتے ہیں۔

خالد: آہا! ابّا جان! یہ بھینسیں دیکھیے کِتنی خوبصورت ہیں۔ ان کا جسم کِتنا چمکدار ہے۔

ابّا جان: ہاں بیٹے! یہ نیلی بار کی بھینسیں ہیں۔

خالد: اور یہ گائیں تو دیکھیے ابّا جان! یہ کِتنی قد آور ہیں۔ ہمارے ہاں تو اتنی بڑی گائیں نہیں ملتیں۔

ابّا جان: ہاں بیٹے یہ ساہی وال سے لائی گئی ہیں۔ ساہی وال کی گائیں اور نیلی بار کی بھینسیں زیادہ دودھ دینے میں بہت مشہور ہیں۔

خالد: ہمارے علاقے میں ایسی گائیں اور بھینسیں کیوں نہیں پالی جاتیں؟

ابّا جان: یہاں بھی اُن کے پالنے کا انتظام کیا جا رہا ہے، بلکہ اب تو ہماری حکومت آسٹریلیا اور کینیڈا سے بھی اچھی قسم کے مویشی درآمد کر رہی ہے تاکہ ملک میں دودھ اور گوشت کی پیداوار بڑھائی جا سکے۔

خالد: اور ابّا جان ان بیلوں کے گرد لوگوں کا کتنا ہجوم ہے۔ یہ بھی بہت قد آور ہیں۔ ذرا ان کے سینگ اور ٹانگیں تو دیکھیے کیسی خوبصورت ہیں۔

ابّا جان: میلہ خواہ کسی علاقے میں ہو یہ پوٹھوہار کے بیل وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ یہ اپنی خوبصورتی کے باعث ہر خاص و عام کی توجّہ کا مرکز بنتے ہیں۔ زمیندار تو اُن کی چال پر جان دیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یہ بیل بہت مہنگے داموں بکتے ہیں۔

خالد: اور ابّا جان یہ اس طرف لوگوں نے گھیرا ساکیوں باندھ رکھّا ہے ؟

ابّاجان: چلو قریب چل کر دیکھیں۔

خالد: اُف! ابّاجان، یہ تو بہت بڑا سانپ درمیان میں پھر رہا ہے۔

ابّاجان: بیٹا ڈرو مت، یہ سانپ کسی کو نہیں کاٹتے۔ یہ مداری کے سدھائے ہوئے ہیں۔

خالد: اور ابّاجان وہ دیکھیے' یہ نیولا بھی پاس ہی بیٹھا ہُوا ہے۔

ابّاجان: ہاں، ابھی دیکھنا نیولے اور سانپ کی لڑائی دکھائی جائے گی۔

خالد: نہیں! ابّاجان میں یہ لڑائی نہیں دیکھوں گا۔ مجھے سانپ سے ڈر لگتا ہے۔

ابّاجان: (ہنس کر) ارے، اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے ؟ اچھّا خیر! چلو تمہیں اور کچھ دکھائیں۔ وہ دیکھو سامنے بہت سے لوگ جمع ہیں۔ ڈھول بجنے کی آواز بھی آرہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہاں کبڈّی ہو رہی ہے۔

کبڈّی کا نام سن کر خالد کو بہت خُوشی ہُوئی۔ دونوں آگے بڑھے اور لوگوں کے بیچ میں گھس کر کبڈّی دیکھنے لگے۔ ایک طرف کا کھلاڑی تیزی سے دُوسری طرف آیا۔ دُوسری طرف کے سب کھلاڑی تاک لگا کر اُس کی طرف بڑھے، لیکن پہلا کھلاڑی بہت تیز اور پُھرتیلا تھا۔ وہ کوڈی کوڈی کرتا آگے بڑھتا رہا اور آخر دوسری طرف کے کھلاڑیوں میں سے ایک کے ہاتھ مار کر بھاگا۔ اس نے اس کا پیچھا کیا۔ لیکن وہ آن کی آن میں یہ جا وہ جا۔ اس کے ہاتھ نہ آیا۔ خالد دیر تک کبڈّی دیکھتا رہا۔ اُس کا جی چاہتا تھا کہ ابھی کچھ دیر اور یہاں ٹھہرے، لیکن اُس کے ابّاجان نے کہا: "چلو! اب تمہیں جھولا جھلائیں۔ وہ دیکھو جھولے لگے ہوئے ہیں۔"

خالد خُوش ہو کر جھولے کی طرف گیا اور پندرہ بیس منٹ تک جھولا جھول کر واپس آگیا۔

ابّاجان نے کہا: "بیٹا! اب بہت دیر ہوگئی۔ چلو، تمھاری امّی کے لیے تھوڑی سی مٹھائی لے لیں اور گھر چلیں۔ دونوں مٹھائی کی دکان کی طرف گئے۔ مٹھائی خریدی اور گھر کی طرف چل پڑے۔ ابھی تھوڑی دُور گئے تھے کہ ایک جگہ اُونٹ کو ناچتے دیکھا۔ اُس کے پیروں میں گھنگھرو بندھے ہوئے تھے اور وہ ڈھولک کی آواز کے ساتھ ناچ رہا تھا۔

ابّاجان نے کہا: "دیکھو! اُونٹ کو کتنی اچھی طرح سدھایا گیا ہے۔ وہ صحیح تال کے ساتھ ناچ رہا ہے۔" خالد اُونٹ کا ناچ دیکھ کر بہت خُوش ہُوا۔

میلے سے گھر آتے وقت خالد نے ابّا جان سے پوچھا : " ابا جان ! یہ میلہ کتنے دن تک جاری رہے گا ؟"

ابّا جان: میلہ عام طور سے چھ سات دن تک جاری رہتا ہے۔ آخری دن مختلف کھیل ہوتے ہیں، مویشیوں کی نمائش ہوتی ہے۔ اچھے مویشیوں کو اور جیتنے والے کھلاڑیوں کو انعام دیے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ میلہ نہ صرف خرید وفروخت کے مواقع بہم پہنچاتا ہے بلکہ لوگوں میں مویشیوں کی پرورش کا شوق بھی پیدا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ باہم میل جول کا موقع فراہم کرتا ہے۔ مختلف علاقوں کے لوگ میلے میں شریک ہوتے ہیں۔ اُن میں آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ میلہ لوگوں کو صحت بخش کھیلوں کی طرف راغب کرتا ہے اور اسی بہانے علاقے کے لوگوں کو دلچسپ تفریحات بھی میسّر آتی ہیں۔

یہ باتیں کرتے کرتے وہ گھر پہنچ گئے اور خالد نے میلہ دکھانے پر ابّا جان کا شکریہ ادا کیا۔

مشقیں

۱- جواب دیجیے :

(i) ابّا جان خالد کی بات سُن کر کیوں ہنس پڑے تھے ؟

(ii) میلہ مویشیاں کیوں لگایا جاتا ہے ؟

(iii) ہماری حکومت باہر کے ملکوں سے مویشی کیوں درآمد کر رہی ہے ؟

(iv) میلہ مویشیاں سے کیا کیا فائدے ہوتے ہیں ؟

۲- ذیل کے جملوں میں خالی جگہوں کو پُر کیجیے :

(i) ہمارے ملک میں اَسّی فیصد آبادی کا ـــــــ کھیتی باڑی پر ہے۔

(ii) میلہ لوگوں کو صحت بخش کھیلوں کی طرف ـــــــ کرتا ہے

(iii) شام کو ـــــ ہوتی ہے تو تفریح کی طرف توجّہ کرتے ہیں

۳- ذیل کے لفظوں کی جمع بتائیے :

گائے - لڑائی - مٹھائی - پتنگ - دکان

۴- الفاظِ ذیل میں سے مذکر اور مؤنّث الگ الگ لکھیے :

گائے - مٹھائی - دکان - ملک - میلہ - مویشی - شکریہ - کھیل - ڈھولک - کھلاڑی - کبڈّی -

۱۷۔ برسات کا موسم

گرمی کی تپش بجھانے والی
سردی کا پیام لانے والی
وہ شاخ و درخت کی جوانی
وہ مور و ملخ کی زندگانی
وہ سارے برس کی جان برسات
وہ کون ؟ خدا کی شان برسات
آئی ہے بہت دعاؤں کے بعد
اور سیکڑوں التجاؤں کے بعد
وہ آئی تو آئی جان میں جان
تھے سب کوئی دن کے ورنہ مہمان
گرمی سے تڑپ رہے تھے جاندار
اور دھوپ میں تپ رہے تھے کہسار
بھوبل سے سوا تھا ریگِ صحرا
اور کھول رہا تھا آبِ دریا
تھی سب کی نگاہ سوئے افلاک
پانی کی جگہ برستی تھی خاک
پنکھے سے نکلتی جو ہوا تھی
وہ بادِ سموم سے سوا تھی
بجھتی نہ تھی آتشِ درونی
لگتی تھی ہوا سے آگ دونی

کل شام تلک تو تھے یہی طور
پر رات سے ہے سماں ہی کچھ اور
پروا کی دہائی پھر رہی ہے
پچھوا سے خدائی پھر رہی ہے
برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
اک شور ہے آسماں پہ برپا
گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں
جنّت کی ہوائیں آ رہی ہیں
کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی
قدرت ہے نظر خدا کی آتی
باغوں نے کیا ہے غسلِ صحت
کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت
پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں کہسار
دولھا سے بنے ہوئے ہیں اشجار
پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل
ہے گونج رہا تمام جنگل

(حالیؔ)

مشقیں

۱۔ اس کا کیا مطلب ہے کہ برسات آئی تو جان میں جان آئی ؟

۲۔ بتایئے شاعر نے یہ کیوں کہا کہ " جنّت کی ہوائیں آ رہی ہیں ؟ "

۳۔ ذیل کے مصرعے کا مطلب سمجھا کر لکھیے :

" باغوں نے کیا ہے غسلِ صحت ۔ "

۴۔ ذیل کے محاورات نظم کے مختلف مصرعوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ آپ ان سے جملے بنایئے :

آگ برسنا ، ڈنکا بجنا ، شور برپا ہونا ، جان میں جان آنا۔

۵۔ برسات پر ایک مختصر مضمون لکھیے اور اس میں بارش سے پہلے اور بارش کے بعد کی حالت کا نقشہ کھینچیے۔ مضمون ایسا ہونا چاہیے کہ پڑھنے والوں کو معلوم ہو کہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ آپ نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

۶۔ باغوں نے کیا ہے غسلِ صحت کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت

اِس شعر میں " نے " اور " کو " کے استعمال پر غور کیجیے۔ اور پھر " نے " اور " کو " کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

۷۔ الفاظِ ذیل پر اعراب لگا کر تلفّظ واضح کیجیے :

تپش ۔ التجا ۔ بھوبل ۔ افلاک ۔ سموم ۔ طور ۔ گھنگھور ۔ صحت ۔ خلعت ۔ پروا۔

۱۸- حضرت سُلطان باہُو رحمۃ اللہ علیہ

خالد نے اپنی سالگرہ کی خُوشی میں اپنے بہت سے دوستوں کو مدعو کر رکھا تھا۔ اس کے چچا، ماموں، خالو اور ان کے بچے بھی اس دعوت میں شریک تھے۔ سب لوگ ڈرائنگ رُوم میں بیٹھے چائے سے لُطف اندوز ہو رہے تھے۔ کمرے کے ایک کونے سے موسیقی کی ہلکی ہلکی صدا سُنائی دے رہی تھی لیکن لوگ موسیقی کی طرف متوجہ نہ تھے۔ سب اپنی اپنی باتوں میں مگن تھے، بچے اپنے ہمجولیوں سے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اسی دوران میں یکایک موسیقی کا رنگ بدلا اور ٹیپ ریکارڈر سے ایک نہایت میٹھی اور پُرسوز آواز بلند ہوئی جس نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اس کلام کے بول تھے :

الف اللہ چنبے دی بُوٹی مُرشد مَن وِچ لائی ہُو!

خالد کے ابّا نے یہ آواز سُنی تو سر دُھننے لگے، باقی لوگ بھی جب "ہُو" کی لمبی اور درد بھری تان سُنتے تو وجد میں جُھوم جاتے۔ جب تک اس کلام کی ٹیپ چلتی رہی خالد کے ابّا اور ماموں اسی طرح واہ واہ کرتے رہے اور پورے کمرے میں سنّاٹا چھایا رہا۔ بچوں نے یہ کلام پہلے بھی ریڈیو پر سُنا تھا لیکن بڑوں کو یُوں جھومتے اور وجد میں آتے نہ دیکھا تھا۔ اس کلام میں ایک کشش تو انھیں بھی محسوس ہو رہی تھی۔ آواز کے لوچ اور لفظوں کی مٹھاس نے انھیں بھی مسحور کر دیا تھا لیکن یہ کلام ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

جب کلام ختم ہوا تو خالد کے دوست عرفان سے نہ رہا گیا۔ وہ خالد کے ابّا جان کو مخاطب کرتے ہوئے بولا: "چچا جان! آپ اس گانے پر بہت جھوم رہے تھے۔ کچھ ہمیں بھی بتایئے کہ آخر اس گانے میں کون سی ایسی بات تھی کہ سب لوگ عَش عَش کر اٹھے؟" خالد کے ابّا جان بولے: "عرفان میاں! پہلی بات تو یہ یاد رکھو کہ یہ گانا نہیں تھا، یہ تو صُوفیانہ کلام تھا یعنی ایک صُوفی شاعر کے شعر جن میں خدا سے محبّت کی باتیں کی گئی ہیں اور لوگوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کو کیسے پا سکتا ہے اور اس کی محبّت سے اپنے دل کو کیسے منوّر کر سکتا ہے۔ یہ کلام حضرت سُلطان باہُو رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ذکر چنبیلی کے پودے کی مانند ہے۔ جس طرح چنبیلی کی خُوشبو سے باغ کا پورا صحن مہک جاتا ہے اسی طرح اللہ کے ذکر سے انسان کا دل مہک اٹھتا ہے۔ اور میرے دل میں یہ پَودا میرے مُرشد نے لگایا ہے۔"

سب بچے خالد کے ابّا جان کی باتیں بڑی توجہ سے سُن رہے تھے۔ ان میں سے ایک بچہ بول اٹھا:

"چچاجان! حضرت سُلطان باہُوؒ کا نام تو میں نے پہلے بھی سُن رکھا ہے۔ آج آپ کی باتیں سن کر جی چاہتا ہے کہ ان کے متعلق کچھ اور معلوم کیا جائے۔ کیا آپ ہمیں حضرت سلطان باہُوؒ کے متعلق کچھ بتا سکیں گے۔" خالد کے ابا نے جواب دیا: "کیوں نہیں بیٹے! میں ضرور بتاؤں گا۔ ہمیں اپنے بزرگ صُوفیا کے حالات کا علم ہونا چاہیے۔"

سب بچے خالد کے اباجان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ خالد کے ابا نے ذرا سی دیر کے لیے اپنا سر کھجایا جیسے وہ کچھ سوچ رہے ہوں۔ پھر بولے: "ہاں تو، حضرت سلطان باہُوؒ اللہ کے ولی اور بلند پایہ صوفی شاعر تھے۔ وہ اب سے کوئی ساڑھے تین سو سال قبل ضلع جھنگ کے ایک قصبے شورکوٹ میں پیدا ہوئے۔ حضرت سُلطان باہُوؒ کے گھر کا ماحول بہت پاکیزہ تھا۔ ان کے والدِ بزرگوار اور والدہ ماجدہ دونوں بہت نیک اور اپنے رب کے عبادت گزار بندے تھے۔ انھوں نے اپنے بیٹے کی بہت اچھی طرح تربیت کی اور انھیں دین کی تعلیم دلائی۔

"حضرت سلطان باہُوؒ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بچپن ہی سے عام بچّوں سے بہت مختلف تھے۔ ایک روایت ہے کہ جب وہ شیرخوار تھے تو رمضان المبارک میں سحری کے وقت سے لے کر افطار تک اپنی امی کا دودھ نہ پیتے تھے گویا ایک طرح سے وہ بھی روزے سے رہتے۔ آپ کو بچپن ہی سے خدا کی ذات سے بڑا پیار تھا۔ ہمیشہ اپنے رب کو یاد کرتے۔ اس کا ذکر سُن کر خُوش ہوتے اور ہر دم اس کے عشق میں محو رہتے۔ اسی لیے آپ "باہُوؒ" کے نام سے مشہور ہوئے۔ با کے معنی ہیں ساتھ اور ہُو کے معنی اللہ یعنی" اللہ کے ساتھ"۔ ایک ایسا شخص جس کے دل میں ہر وقت اللہ کی یاد رہے۔" خالد کے ابا بڑی محبت اور عقیدت سے حضرت سلطان باہُوؒ کا ذکر کر رہے تھے۔ کمرے میں ایک مرتبہ پھر سناٹا چھا گیا تھا۔ کیا بڑے اور کیا چھوٹے، سب حضرت سُلطان باہُوؒ کا ذکر بہت شوق سے سُن رہے تھے۔ خالد کے ابا نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا: "حضرت سلطان باہُوؒ جب بڑے ہوئے تو اللہ کی تلاش میں بہت سے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب سے دین کا علم حاصل کرتے رہے۔ وہ ایک ایسی راہ کے متلاشی تھے جس پر چل کر وہ خدا کی ذات کو پہچان سکیں اور اسے مل سکیں۔ آخر انھیں یہ راہ مِل گئی اور اُنھوں نے خدا کو پالیا۔ اس کے بعد وہ خود دین کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے اور لوگوں کو وہی راستہ دکھلانے لگے جو انھوں نے بڑی محنت اور کاوش سے پایا تھا۔

حضرت سلطان باہُوؒ پنجابی زبان کے شاعر تھے۔ ان کا کلام صُوفیانہ اور عارفانہ رنگ میں رچا ہُوا ہے۔ آپ کے کلام کی ایک خاص دُھن ہے جو اسے باقی تمام صوفی شاعروں کے کلام سے ممتاز کرتی

ہے۔ آپ نے ابھی سُنا کہ ان کے ہر شعر کے آخر میں ہُو آتا ہے۔ ہُو کی تکرار سے ان کے اشعار میں ایک خاص لُطف پیدا ہوجاتا ہے۔ حضرت سُلطان باہُوؒ کی شاعری میں ہمیں علم وحکمت کے انمول موتی نظر آتے ہیں۔ ان کا ایک ایک شعر عشقِ الٰہی میں ڈوبا ہُوا ہے۔"

خالد نے کہا: "ابّا جان! آپ نے حضرت سلطان باہُوؒ کے کلام کا خوب مطالعہ کر رکھا ہے۔ ان کے کلام سے ہمیں چند ایسی باتیں بتایئے جن پر عمل پیرا ہو کر ہم اچھے انسان بن سکیں۔" خالد کے ابّا یہ سوال سُن کر بہت خُوش ہوئے۔ کہنے لگے: اگر یہی خواہش ہے تو غور سے سنو! حضرت سُلطان باہُوؒ نے علم حاصل کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ وہ خود بہت بڑے عالم تھے۔ انھوں نے فارسی زبان میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ اُن کا قول ہے کہ علم حاصل کیے بغیر فقیری کی دولت ہاتھ نہیں آتی۔

ع علم باہجھ کوئی فقیر کہاوے کافر مرے دیوانہ ہُو!

یعنی جو شخص علم کے بغیر فقر میں کمال حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ دیوانہ کبھی کامیاب نہ ہوگا۔ بلکہ ایسی فقیری اسے کُفر کی طرف لے جائے گی۔ حضرت سلطان باہُوؒ کا ایمان تھا کہ انسان کی نجات اس میں ہے کہ وہ حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلّم کے راستے پر چلے اور اللہ کی وحدت میں اس راستے کو تلاش کرے۔ وہ فرماتے ہیں:

ع سچا راہ محمدؐ والا باہُو جیں وحدت وچ لبھیوے ہُو!

حضرت سلطان باہُوؒ نے ہمیں محنت کی تلقین کی ہے۔ اُنھوں نے خود خدا کی راہ تلاش کرنے میں بڑی محنت کی اور کبھی چین سے نہ بیٹھے۔ وہ دوسروں کو بھی اپنے شعروں میں محنت کی تلقین کرتے ہیں۔ حضرت باہُوؒ دنیا کی دولت جمع کرنے کے خلاف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ دنیا کا مال جمع کرنے کے بجائے، اُسے حاجت مندوں کو دے دینا چاہیے۔ اُن کا ارشاد ہے: ؎

اَدھی لعنت دنیا تائیں، ساری دنیا داراں ہُو
جنھاں راہ صاحب دے خرچ نہ کیتی پین غضب دیاں ماراں ہُو!

یعنی جس نے دولت کمائی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا اس پر خدا کا غضب نازل ہوگا۔

حضرت سُلطان باہُوؒ نے اپنے وطن کی محبّت پر بھی بہت زور دیا ہے۔ اُنھوں نے فرمایا ہے: ع

حُبِ وطن دی غالب ہوئی اِک پل سَون نہ دیندی ہُو!

خالد کے ابّا حضرت سُلطان باہُوؒ کی باتیں مزے لے کر بیان کر رہے تھے۔ اِدھر بچّے بھی حضرت باہُو رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر سے لُطف اندوز ہو رہے تھے کہ اتنے میں ڈرائنگ رُوم میں

لگا ہُوا کلاک ٹن ٹن کرنے لگا۔ سب نے آنکھ اٹھا کر جو دیکھا تو سات بج رہے تھے۔ بچّوں کو اپنے اپنے گھروں کو بھی لوٹنا تھا۔ اس لیے خالد کے ابّا جان نے موضوع بدلنا چاہا۔ لیکن خالد کا ایک دوست بولا: "چچا جان! بس ایک بات اور بتا دیجیے کہ حضرت سلطان باہُوؒ کا مزار کہاں ہے۔ تاکہ اگر کبھی ہمیں موقع مِل سکے تو ہم اتنے بڑے صوفی شاعر کے مزار کی زیارت تو کر سکیں۔" خالد کے ابّا نے جواب دیا: "بیٹے! ان کا مزار ضلع جھنگ ہی کے ایک قصبے گڑھ مہاراجہ سے قریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اُن کے عقیدت مند دُور دراز سے اُن کے مزار کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ یہ مقام دربار حضرت سلطان باہُوؒ کے نام سے مشہور ہے اور ہر سال یہاں عرس کے موقع پر ہزاروں لوگ جمع ہوتے ہیں اور حضرت کی تعلیم سے فیض حاصل کرتے ہیں۔"

بچّے حضرت سلطان باہُوؒ کے حالات سُن کر بہت خُوش ہُوئے اور خالد اور ان کے ابّا کا شُکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو چل دیے۔

مشقیں

۱۔ جواب دیجیے:

(i) ڈرائنگ روم سے کیا مراد ہے؟

(ii) ٹیپ ریکارڈر کیا ہوتا ہے؟

(iii) عرفان نے خالد کے ابّا جان سے کیا پُوچھا؟

(iv) اللہ کے ذکر کو چنبیلی کا پَودا کیوں کہا گیا ہے؟

(v) سُلطان باہُوؒ بچپن میں دُوسرے بچّوں سے کیونکر مختلف تھے؟

۲۔ ان محاورات کا مطلب اپنی کاپی میں لکھیے:

مگن ہونا۔ سر دُھننا۔ سنّاٹا چھانا۔ مسحور کرنا۔ عَش عَش کرنا۔ فیض حاصل کرنا۔

۳۔ سُلطان باہُوؒ کے کسی شعر کا مطلب اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔

۴۔ مندرجہ ذیل کو قواعد میں کیا کہیں گے؟

چچا۔ کمرہ۔ ہلکی ہلکی۔ انھوں۔ میٹھی۔ خالد۔ درد بھری۔ چنبیلی۔ شورکوٹ۔

۱۹- اکبری کی کہانی

یہ دو بہنوں کا قصّہ ہے جو مولوی نذیر احمد نے لکھا ہے۔ ان بہنوں میں سے ایک کا نام اصغری تھا اور دُوسری کا اکبری۔ اصغری چھوٹی لیکن بہت عقل مند تھی۔ اکبری بڑی تھی، مگر بہت بے وقوف۔ آج ہم تمھیں اس کی بے وقوفی کا تھوڑا سا حال سناتے ہیں۔

اکبری کے میاں کا نام محمّد عاقل تھا۔ شادی کے بعد محمّد عاقل اکبری کے ساتھ اپنی ماں کے گھر میں رہا، لیکن اکبری کو اس کی ماں کے ساتھ رہنا پسند نہیں تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ الگ گھر لے کر رہے۔ محمّد عاقل نے اسے بہت سمجھایا، لیکن وہ نہ مانی۔ آخر محمّد عاقل نے ایک گھر کرائے پر لے لیا اور اکبری کو لے کر اس گھر میں چلا گیا۔

محمّد عاقل اور اکبری نئے گھر میں پہنچے تو محمّد عاقل نے اکبری سے کہا کہ کھانے پکانے کا انتظام شروع کرو۔ اکبری نے میاں کی بات سُنی تو بگڑ کر بولی :

" دیکھتے نہیں کہ سارا سامان بکھرا پڑا ہے۔ پہلے سامان ٹھکانے لگ جائے تو ہنڈیا چُولھا دیکھوں۔ ابھی تو مجھے فرصت نہیں۔"

محمّد عاقل بیوی کی بات سُن کر چُپ ہو رہا۔ بے چارہ بازار گیا اور کھانا خرید کر لے آیا۔ کئی دن تک یہی سلسلہ چلتا رہا۔ محمّد عاقل تنُور سے روٹی پکوا لاتا۔ بازار سے کسی وقت کباب آجاتے اور کسی وقت دہی۔ دونوں میاں بیوی اِس سے پیٹ بھر لیتے۔ جب کئی دن گزر گئے اور محمّد عاقل بازار کے کھانے سے اُکتا گیا تو اُس نے اکبری سے کہا : " بیوی! اب تو مجھ سے بازار کا کھانا نہیں کھایا جاتا، تم گھر میں کھانا پکانا شروع کر دو۔" اکبری نے اس سے پہلے کھانا نہیں پکایا تھا۔ میاں کے کہنے سے یہ کام شروع کیا۔ اس نے روٹی پکائی تو ہر روٹی ایک الگ صُورت اور الگ رنگ کی تھی۔ روٹی نہ گول ہوتی تھی نہ چوکھونٹی۔ ایک کا کان اِدھر نکلا ہُوا اور دُوسری کا اُدھر۔ کسی روٹی کے کنارے موٹے ہوتے، کسی کے پتلے۔ کوئی جلی ہُوئی ہوتی اور کوئی کچّی، اور کوئی دھوئیں میں جُھلسی ہُوئی۔

یہ حال تو روٹی کا تھا، لیکن دال اس سے بھی نرالی تھی۔ ہنڈیا اُتاری تو دال الگ تھی اور پانی الگ۔ دال کے دانے نہ کچّے تھے نہ پکّے۔ غرض دال ایسی تھی کہ جو کھائے، اس کے پیٹ میں درد ہو جائے۔ کئی دن تک اس طرح کا کھانا پکتا رہا۔ سالن کا رنگ ایسا ہوتا تھا کہ جو اسے دیکھے اس کی بُھوک اُڑ جائے۔ مزے کا یہ حال کہ کبھی نمک زہر کی طرح تیز اور کبھی بالکل پھیکا پانی۔ محمّد عاقل نے کئی دن تک

یہی کھانا کھایا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ لیکن آخر کہاں تک صبر کرتا، مجبور ہوکر اس نے ماں کے گھر جاکر کھانا شروع کر دیا۔

میاں نے گھر میں کھانا چھوڑ دیا تو بیوی بالکل ہی بے فکری ہوگئی۔ اُس نے ہنڈیا ڈوئی کو سلام کیا اور باورچی خانہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ ایک لڑکی جس کا نام زُلفن تھا، ان کے گھر میں کام کرتی تھی۔ وہ ہر روز زُلفن کو پیسے دیتی اور بازار سے کبھی پُوریاں، کبھی کچوریاں، کبھی حلوہ، کبھی کباب منگا کر کھالیتی۔ مزے مزے کی چیزیں کھاتی اور پڑ کر سو رہتی۔ زُلفن بھی بہت خُوش تھی۔ اسے بھی دونوں وقت مزے مزے کے کھانے مِلتے تھے۔ یہ کھانا کھا کھا کے وہ پُھول کر کُپّا ہوگئی۔

کئی مہینے اکبری کا گھر اسی طرح چلتا رہا۔ میاں کی تنخواہ کم تھی۔ اکبری اپنے چٹورپن میں اسے آٹھ دس دن میں ختم کر ڈالتی۔ جب خرچ کے لیے پیسے پاس نہ رہتے تو گھر کی کوئی چیز بِکوا کر کام چلاتی۔ اِس طرح گھر کا سامان بِکتے بِکتے آدھا رہ گیا۔ جو کچھ بچا بچایا تھا اُسے ایک دن چور اُٹھا کر لے گیا۔ ہُوا یوں کہ ایک دن اکبری نے دوپہر کا کھانا کھایا اور پڑ کر سو رہی۔ دروازے کی کُنڈی کھلی ہُوئی تھی۔ کوئی آدمی گھر میں گھسا اور سامنے پڑی ہُوئی ایک ایک چیز اُٹھا کر لے گیا۔ گھڑے پر ڈھکا ہُوا پانی پینے کا کٹورا تک نہ چھوڑا۔ آخر محمّد عاقل شام کو گھر لوٹا تو چوری کا حال معلوم ہُوا۔ پہلے تو بیوی سے بہت بِگڑا، آخر صبر شُکر کرکے بیٹھ رہا۔ بے چارے نے کسی سے کچھ رُوپے قرض لیے اور ضرورت کی چیزیں لاکر گھر میں رکھیں۔

اکبری کی ماں نے اسے جہیز میں بڑے قیمتی اور بھاری جوڑے دیے تھے۔ یہ سب ایک صندوق میں بند، کوٹھڑی کے اندر رکھے تھے۔ گرمیوں کے بعد برسات آئی اور دو مہینے تک خُوب بارش ہُوئی۔ بارش کی سیل کا اثر صندوق میں رکھے ہُوئے کپڑوں پر ہُوا تو انھیں دیمک چاٹ گئی۔ کچھ کپڑوں کو چُوہے کتر گئے اور ان میں جگہ جگہ کہیں چونّی، کہیں اٹھنّی اور کہیں رُوپے کے برابر چھید ہو گئے۔ غرض کپڑوں میں سے ایک بھی ایسا نہ رہا کہ پہننے کے کام آئے۔

اب سنو اکبری کے زیور کا حال۔ ماں نے پیسہ پیسہ جوڑ کر اکبری کے لیے کئی زیور بنائے تھے۔ وہ سب ایک صندوقچے میں رکھے رہتے تھے۔ اِن زیوروں کو بھی اکبری نے اپنی بے وقوفی سے گنوا دیا۔ قِصّہ یوں ہے کہ جس شہر میں اکبری رہتی تھی اِس میں کچھ دن سے ایک کُٹنی آئی ہوئی تھی۔ سیدھی سادھی عورتوں کو باتوں میں لگا کر ٹھگنا اس کا پیشہ تھا۔ محمّد عاقل نے اس کُٹنی کا چرچا سُن رکھا تھا۔ اس نے اکبری کو تاکید کر دی تھی کہ خبردار کسی اجنبی عورت کو گھر میں مت گھسنے دینا۔

انہیں دنوں کا ذکر ہے کہ جس گلی میں اکبری رہتی تھی، اس میں وہی کُٹنی مجّن کا بھیس بدل کر آئی اور محلّے میں ایک جگہ اپنی دکان کھول کر بیٹھ گئی۔ عورتوں کو پھسلانے کے لیے اس کے پاس بہت سی چیزیں تھیں۔ کئی طرح کی تسبیحیں، خاکِ شفا، زمزمیاں، مدینہ منّورہ کی کھجوریں، کوہِ طور کا سُرمہ، خانہ کعبہ کا غلاف، مونگے کے دانے اور اس طرح کا بہت سا سامان اس کے پاس تھا۔ محلّے کی لڑکیاں اس کے گِرد اکٹھی ہوگئیں۔ مجّن کے آنے کی خبر اکبری تک پہنچی تو اُس نے زُلفن سے کہا کہ جب مجّن دکان بڑھا کر جانے لگے تو اُسے یہاں بلا لانا۔ زُلفن مجّن کی دکان پر جا کھڑی ہوئی۔ جب مجّن نے دکان بڑھائی تو زُلفن اسے بُلا کر اکبری کے پاس لے آئی۔

اکبری مجّن کی چیزیں دیکھ کر بہت للچائی۔ اُس نے دو چیزیں پسند کیں۔ مجّن نے اکبری کو اپنے جال میں پھنسانے کے لیے دونوں چیزیں بہت سَستے داموں اسے دے دیں۔ چلتے وقت فیروزے کی ایک انگوٹھی مُفت میں اس کے حوالے کی۔ اکبری اتنی سی بات پر ریجھ گئی اور مجّن سے کہا کہ بی آئندہ بھی ضرور آنا۔ مجّن نے کہا: "ہاں بیٹی ضرور آؤں گی۔" اس کے بعد مجّن اکبری کو دُعائیں دے کر رُخصت ہوگئی۔ اگلے دن مجّن پھر آموجود ہوئی۔ ایک ریشمی اِزار بند اس کے ہاتھ میں تھا۔ قیمت میں کسی طرح دو روپے سے کم نہ تھا۔ وہ کمربند اس نے اکبری کے ہاتھ چار آنے میں بیچ دیا۔ اس بات کو کئی دن گزر گئے۔ ایک دن مجّن پھر آئی تو موتیوں کی لڑی اُس کے ہاتھ میں تھی۔ لڑی دکھا کر اُس نے اکبری سے کہا۔

"لو بس آج تمھارے لیے بڑی قیمتی چیز لائی ہوں۔ سُچّے موتیوں کی لڑی قیمت میں کسی طرح دو ڈھائی سو سے کم نہیں، لیکن تمھارے لیے اس کے دام پچّاس روپے ہوں گے۔"

اکبری نے کہا: "ماں! میرے پاس پچّاس روپے چھوڑ پانچ روپے بھی نہیں ہیں۔" بڑی بی نے یہ بات سُنی تو اکبری سے کہا: "بیٹی! سچ کہتی ہوں مال ہاتھ سے نِکل گیا تو لاکھ جتن کرو گی، پھر کہیں سے حاصل نہ ہوگا۔ میری مانو تو اپنا کوئی زیور گِروی رکھ کر یہ موتی خرید لو۔" اکبری بُڑھیا کی باتوں میں آگئی۔ لپک کر گئی اور زیوروں کا صندوقچہ اٹھا لائی۔ اکبری نے صندوقچہ کھولا تو زیور دیکھ کر بڑھیا کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے اکبری سے کہا: "بیٹی کتنا اچھا زیور ہے، مگر تم نے اسے گاجر مولی کی طرح ڈال رکھا ہے۔ دیکھو تو یہ بالی پتّے، گلوبند اور بازو بند کیسے میلے چیکٹ ہوگئے ہیں۔ میل سونے کو کھا جاتا ہے۔ ان زیوروں کو اُجلواتی کیوں نہیں؟" اکبری نے کہا: "امّاں، آپ ٹھیک کہتی ہیں، مگر اجلوائے کون؟ انھیں تو اپنے دفتر کے کام ہی سے فرصت نہیں۔"

مجّن بولی: "اے بیٹی! یہ کون سا مُشکل کام ہے، تُم زیور مجھے دے دو اور زُلفن کو میرے ساتھ کردو،

میں ذراسی دیر میں سارا زیور اُجلوا دوں گی ۔" اکبری حجّن کی باتوں میں آگئی۔ سارا زیور اس کے حوالے کیا۔ حجّن زُلفن کو ساتھ لے کر گھر سے باہر نکل گئی۔ ابھی دونوں تھوڑی دُور گئی تھیں کہ حجّن نے زُلفن سے کہا: "زُلفن بیٹی! ناک کی کیل تو میں پاندان کے اُوپر رکھ کر بُھول آئی۔ بھاگ کر جا، وہ کیل لے آ۔ میں تیرا انتظار کروں گی ۔"

زُلفن بھاگ کر گھر پہنچی، اکبری سے کیل مانگی تو وہ بولی: "کیل کیسی؟ کیل تو میرے پاس ہے ہی نہیں۔ ضرور حجّن کے دل میں کچھ کھوٹ ہے۔ کم بخت دوڑ! حجّن کہیں چلی نہ جائے۔" زُلفن اُلٹے پاؤں دوڑی گئی۔ اِدھر اُدھر دیکھا، حجّن کا کہیں پتا نہ تھا۔ گھر آکر اکبری کو بتایا وہ سُن کر سر پیٹنے لگی۔ "ہائے میں لُٹ گئی، ارے لوگو! دوڑو، خدا کے لیے دوڑو"۔ سارے محلّے میں شور مچ گیا۔

ہر ایک بڑھیا کی تلاش میں نِکلا، مگر بڑھیا کا کہیں نام نشان تک نہ ملا۔ سب تھک ہار کر بیٹھ گئے۔ شام کو محمّد عاقل گھر آیا تو اکبری نے سارا ماجرا سنایا۔ سُن کر وہ دھک سے رہ گیا۔ دیر تک یُوں ہی بیٹھا رہا۔ بے وقوف اکبری اُس کے سامنے بیٹھی روتی رہی۔

مشقیں

۱۔ جواب دیجیے :

(i) محمّد عاقل شادی کے بعد الگ گھر لے کر کیوں رہنے لگا ؟

(ii) اس کا کیا مطلب ہے۔" اکبری نے ہنڈیا ڈوئی کو سلام کیا؟"

(iii) محمّد عاقل کے گھر کا سامان کیوں بِکتے بِکتے آدھا رہ گیا ؟

(iv) اکبری کے قیمتی کپڑے کس طرح خراب ہوئے ؟

(v) حجّن نے دونوں چیزیں اکبری کو سستے داموں کیوں دے دیں ؟

(vi) حجّن نے کس بہانے سے زُلفن کو گھر بھیجا ؟

۲۔ مناسب فعل لگا کر جُملے مکمّل کیجیے :

(i) محمّد عاقل بازار کے کھانے سے ______

(ii) سب روٹیاں دھوئیں میں ______

(iii) سالن کا رنگ دیکھ کر محمدّ عاقل کی بھوک ______

(iv) اچھے کھانے کھا کر زُلفن پھول کر کُپّا ______

(v) محمدّ عاقل نے کٹنی کا چرچا ______

(vi) زیور دیکھ کر بڑھیا کے منہ میں ______

(vii) اکبری مجنّن کی باتوں ______

(viii) اکبری زُلفن کی بات سُن کر سر ______

(ix) بڑھیا کا کہیں نام و نشان نہ ______

(x) سب تھک ہار کر ______

۳۔ واحد کے جمع اور جمع کے واحد لکھیے:

نئے۔ سلسلہ۔ حال۔ کچوریاں۔ کُنڈی۔ ضرورت۔ زیور۔ تسبیح۔ لڑیاں۔ صندُوقچہ۔ نشان۔

۴۔ مندرجہ ذیل کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

ٹھکانے لگنا۔ پیٹ بھرنا۔ اُکتا جانا۔ پھول کر کُپّا ہو جانا۔ چٹورپن۔ بچا بچایا۔ صبر شُکر کرکے۔ دُکان بڑھانا۔ جتن کرنا۔ اُچلوانا۔

۲۰۔ اصغری کی کہانی

اکبری کی بے وقوفیوں کی کہانی تو سب نے سُنی ۔ اس سے بہت سی نصیحتیں بھی حاصل کیں۔ لیکن اس کی چھوٹی بہن اصغری کی کہانی ایسی ہے کہ اس میں قدم قدم پر اچھی باتیں ہیں۔ ان باتوں سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ تو آیئے ذرا توجّہ سے اس کی کہانی سُنیے ۔

اصغری کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ یہ لڑکی اپنی ماں کے گھر میں ایسی تھی جیسے باغ میں گلاب کا پھول یا آدمی کے جسم میں آنکھ ۔ ہر ایک طرح کا ہُنر اور ہر ایک طرح کا سلیقہ اسے حاصل تھا۔ محلّے کی جتنی عورتیں تھیں سب اس کو بیٹیوں کی طرح چاہتی تھیں۔ ہم اکبری کی کہانی میں بتا چکے ہیں کہ اس کی شادی محمّد عاقل سے ہوئی تھی۔ محمّد عاقل کے چھوٹے بھائی کا نام محمّد کامل تھا۔ اصغری کی بات بچپن ہی سے محمّد کامل سے ٹھہری ہوئی تھی۔ جب اصغری تیرہ چودہ سال کی ہوئی تو اس بات کا چرچا شروع ہوا کہ شادی کا دن تاریخ مقرّر ہو جائے ، لیکن مُشکل یہ تھی کہ اکبری کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر محمّد کامل کی ماں کا جی ڈر گیا تھا۔ مثل ہے کہ دودھ کا جلا چھاچھ کو پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ محمّد کامل کی منگنی کہیں اور کر دے۔

محمّد عاقل کو اس بات کی اِطّلاع ملی تو دوڑا ہُوا ماں کے پاس آیا اور اس سے کہنے لگا : "امّاں ، میں نے سُنا ہے کہ تم محمّد کامل کی منگنی چُھڑانا چاہتی ہو۔ خُدا کے لیے ایسی غلطی نہ کرنا۔ امّاں ! میں سچ کہتا ہوں اصغری ہزار لڑکیوں میں ایک ہے۔ عُمر بھر چراغ لے کر ڈھونڈو گی تو اصغری جیسی لڑکی نہ مِلے گی۔ تم ہرگز کسی طرح کا اندیشہ دل میں نہ لاؤ اور بسم اللہ کر کے بیاہ کی تاریخ مقرّر کر دو۔"

محمّد عاقل کے کہنے سے اس کی ماں کے دِل کا وسوسہ دُور ہُوا۔ آپس کے صلاح مشورے سے شادی کی تاریخ مقرّر ہوئی اور اصغری بیاہ کے بعد سُسرال آگئی۔

ساس نے اس کی جتنی تعریفیں سُن رکھی تھیں، ان کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے تمیزدار بہو کا لقب دیا۔ نئے گھر میں ہر شخص کی نظر اس پر تھی۔ اس لیے وہ ہر بات میں بڑی احتیاط سے کام لیتی تھی۔ شروع شروع میں اُس نے گھر کے کاموں میں کوئی دخل نہ دیا۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ چھوٹے موٹے کام کرنے لگی۔ چراغ کی بتّیاں بٹ دیں۔ ترکاری بنالی۔ پھٹا اُدھڑا کپڑا سی دیا۔ ساس اور میاں کے لیے پان بنا دیے۔ باورچی خانے میں جا کر کھانا پکانے میں کوئی صلاح مشورہ دے دیا۔ پھر رفتہ رفتہ یُوں ہُوا کہ کھانا اصغری کے مشورے ہی سے پکنے لگا۔ جس دن سے کھانے میں اصغری کا مشورہ شامل ہُوا گھر والوں کو کھانے میں

نیا ذائقہ ملا۔ اس بات سے سب گھر والے بہت خُوش تھے البتہ ایک شخص کو اصغری کی دخل اندازی قطعاً پسند نہیں تھی۔

قِصّہ یوں ہے کہ اس گھر میں ایک ماما نوکر تھی، جس کا نام عظمت تھا۔ عظمت کو یہاں نوکر ہوئے کوئی پچیس سال ہُوئے تھے۔ گھر کا ہر کام اسی کے صلاح مشورے سے ہوتا تھا اور وہ بھی گھر والوں کو ہزار طرح سے لُوٹتی تھی۔ باورچی خانے کے سَودے سلف میں بھی پیسے بچایا کرتی تھی۔ جن لوگوں کے یہاں سے سَودا اُدھار آتا تھا اُن سے بھی اپنا حِصّہ لیتی تھی اور دکاندار ایک پَیسے کی چیز کے چار پَیسے وصول کرتے تھے اصغری نے باورچی خانے کے کام میں دخل دینا شروع کیا تو ماما عظمت کی چوریاں کُھلنی شروع ہوگئیں۔ یہ بات اسے ناگوار گزری۔ چنانچہ اُس نے کوششیں شروع کر دیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو اصغری کی طرف سے گھر والوں کے دل میں برائی ڈالے۔ وہ موقع کی تلاش میں رہتی تھی۔ آخر ایک دِن اُسے موقع مِل گیا۔

برسات کا موسم تھا، بادل گِھرا ہُوا تھا۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ محمّد کامل نے کہا کہ آج تو کڑاہی کو دِل چاہتا ہے لیکن شرط یہ کہ تمیز دار بہو اِس کا اہتمام کرے۔ اصغری اُوپر کے کمرے میں رہتی تھی، اس لیے اسے محمّد کامل کی فرمائش کی کوئی خبر نہ ہُوئی۔ ماما عظمت نے پکوان کا سارا سامان جمع کیا اور محمّد کامل سے کہنے لگی کہ اُوپر جاکر بہو صاحبہ کو بُلا کر لاتی ہوں۔ وہ اُوپر گئی اور اصغری سے کچھ کہے سُنے بغیر نیچے آ گئی۔ نیچے آکر اُس نے کہہ دیا: "بہو صاحبہ کہتی ہیں کہ میرے سر میں درد ہے"۔ یہ کہا اور پکوان کی تیاری میں لگ گئی۔ اُلٹا سیدھا پکوان تیّار کِیا تو کھا کر کسی کا جی خُوش نہ ہُوا اور ہر ایک کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اصغری سر کے درد کا بہانہ نہ کرتیں تو پکوان یُوں خراب نہ ہوتا۔

اس طرح گویا ماما عظمت نے اصغری پر پہلا وار کیا۔ اس کے بعد بھی اُس نے خاموشی سے اِس طرح کے کئی وار کیے جن سے اصغری کی طرف سے گھر والوں کی کشیدگی میں اضافہ ہُوا۔ اصغری کو ماما کی ان باتوں کی تو کوئی خبر نہ تھی، لیکن اُسے یہ اندازہ ضرور تھا کہ گھر والے اس سے کچھ کھچے کھچے رہتے ہیں۔ سارے گھر میں اصغری کی چھوٹی نند محمودہ البتہ ایسی تھی کہ اس سے اس کی خُوب دوستی تھی وہ اصغری کو کبھی کبھی ماما عظمت کی باتیں بتاتی رہتی تھی مگر اصغری احمق نہ تھی کہ جلد بازی سے کام لیتی۔ اس نے دل میں سوچ رکھا تھا کہ ماما کے سب واروں کا اکٹھا جواب دے گی اور آخر وہ موقع آگیا جس کا اصغری کو انتظار تھا۔

ہُوا یوں کہ ماما عظمت نے ایک دن گھر میں آکر اطلاع دی کہ ہزاری مَل مہاجن جس کے یہاں سے حویلی کے بیے قرض آتا ہے، نالش کرنے والا ہے۔ نالش کا نام سُن کر سب گھر والے گھبرا گئے لیکن اصغری نے سب کو اطمینان دلایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں، سب انتظام ہو جائے گا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ سب شرارت ماما عظمت کی ہے۔ ادھر تو اُس نے گھر والوں کو اطمینان دلادیا، ادھر اپنے بھائی خیراندیش خاں کو خط لکھا۔ اس میں ماما عظمت کی شرارتوں کا سب حال لکھ کر بھائی کو تاکید کی کہ وہ یہ خط مولوی محمّد فاضل کو دکھلائیں اور اُنھیں لے کر دہلی آجائیں۔

محمّد کامل کے والد مولوی محمّد فاضل لاہور کے ایک رئیس کی سرکار میں مختار تھے۔ خیراندیش خاں نے لاہور جاکر اصغری کا خط انھیں دکھایا۔ مولوی صاحب، بہو کا خط دیکھ کر باغ باغ ہو گئے اور اسے دیکھنے کے اشتیاق میں رخصت لے کر دہلی آ گئے۔ خیراندیش خاں بھی ان کے ساتھ آئے۔ مولوی صاحب بہو سے مِل کر بہت خُوش ہوئے اور ماما عظمت کی نمک حرامی کی باتیں سُن کر اُنھیں بہت رنج ہُوا۔ دو تین دن تو اُنھوں نے آرام کیا۔ آخر ماما کو بُلا کر کہا: "ماما! ہمارے رہتے ہوئے سب کا حساب کرلو تاکہ قرض ادا کردیا جائے اور جو ادا نہ ہو سکے اس کی قسط باندھ دی جائے۔"

ماما نے کہا: "ایک کا حساب ہو تو زبانی یاد رکھا جائے۔ بنیا، بزاز، قصائی، کنجڑا، حلوائی سب کا دینا ہے اور سب سے بڑا حساب ہزاری مَل کا ہے۔ آپ کو جتنا دینا ہے مجھے دے دیجیے، میں آپ کے نام سے جمع کرا دوں گی۔"

مولوی صاحب تو سیدھے آدمی تھے۔ شاید ماما کی باتوں میں آجاتے لیکن اصغری ماما عظمت کی چالاکیوں سے واقف تھی۔ اس نے کہا "یوں علی الحساب جمع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، پہلے سب کا حساب معلوم ہونا ضروری ہے۔ تُم جاؤ اور ایک ایک آدمی کو بُلا کر لاؤ"۔ ماما عظمت نے سو طرح کے بہانے کیے لیکن اصغری کسی طرح نہ مانی۔ آخر مجبور ہو کر ماما سب سے پہلے حلوائی کو بُلا کر لائی۔ حلوائی سے حساب پُوچھا گیا تو اُس نے تیس روپے بتائے۔ حلوائی سے کہا گیا کہ تیس رُوپے تو بہت زیادہ ہیں۔ آخر تمھارے یہاں سے کیا کیا چیز آئی ہے؟

حلوائی نے کہا: "صاحب! تیس روپے کچھ زیادہ تو نہیں، دس سیر شکر تو اسی شبِ برات میں آئی ہے۔"

محمّد کامل کی ماں: "ارے کیسی شکر؟ اس شبِ برات میں تو ہمارے یہاں سارا سودا نقد آیا ہے۔"

یہ سُن کر ماما کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ حلوائی سے بولی:

"ارے! وہ دس سیر[۵] شکر تُم نے اِن کے حساب میں کیوں لکھ لی؟ وہ تو میں دُوسرے گھر کے لیے لے کر

۵۔ دس سیر یعنی قریباً نو کلو گرام

گئی تھی۔" حلوائی نے ماما کو جھٹلایا تو وہ کھسیانی باتیں کرنے لگی۔ حلوائی نے اسی طرح بہت سی چیزیں بتائیں۔ ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں تھی جو اس گھر میں آئی ہو۔ بس چھ سات روپے کا حساب ٹھیک نکلا۔ مولوی صاحب نے یہ حال دیکھا تو انھیں بہت غصّہ آیا۔ اُنھوں نے ماما سے کہا: "کیوں ری نمک حرام! کیا تُو نے اسی طرح کا قرض اس گھر پر کر رکھا ہے، اور کیا اسی طرح تُو نے اس گھر کو خاک میں ملا دیا ہے؟"

حلوائی کے بعد کنجڑا آیا، پھر قسائی اور پھر بنیا۔ سب کے حساب میں اسی طرح کے فریب نکلے۔ بزاز اور بزازی مل کے حساب میں اور بھی زیادہ فریب تھا۔ مولوی صاحب نے یہ باتیں دیکھیں تو کہا کہ "اس نمک حرام کو کوتوالی لے جاؤ۔" اصغری نے سفارش کی تو مولوی صاحب نے اسے نوکری سے الگ کر دیا۔ بزاز اور بزازی مل کے حساب میں جو غلط روپے نکلے وہ ماما عظمت کو اپنا اور اپنی بیٹی کا زیور بیچ کر ادا کرنے پڑے۔

ماما عظمت کے نکل جانے کے بعد اصغری نے گھر کا سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ ہر خرچ میں کفایت سے کام لیا اور جتنی آمدنی تھی اُس میں سے تھوڑی تھوڑی بچت شروع کر دی۔ اس بچت سے اُس نے آہستہ آہستہ گھر کا سامان درست کیا۔ برتن، صندوق، پلنگ، تخت، فرش، بچھونے سب چیزیں نئی آئیں۔ آہستہ آہستہ لوگوں کے نئے کپڑے اور زیور بنے۔ گھر میں قرض کا آنا بالکل بند ہو گیا۔ ضرورت کی ہر چیز نقد آتی۔ اس کے بعد بھی آمدنی میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز ہوتا رہتا۔ اسی پس انداز کی ہوئی رقم سے اصغری نے اپنی نند محمودہ کی شادی بھی بڑی دھوم دھام سے کی۔

مختصر یہ کہ اصغری تھی تو اکبری کی بہن، لیکن عادتوں میں اُس سے بالکل مختلف تھی۔ اُس نے اپنی عادتوں سے اپنے میاں کے گھر کا نقشہ بدل دیا اور اسے ہر لحاظ سے جنّت کا نمونہ بنا دیا۔

مشقیں

۱- جواب دیجیے:

(i) محمد کامل کی ماں کا جی اصغری کے بارے میں کیوں ڈر گیا تھا؟

(ii) اصغری نے شروع میں گھر کا کام کیسے سنبھالا؟

(iii) ماما عظمت اصغری کی دُشمن کیوں ہو گئی تھی ؟

(iv) ماما عظمت نے گھر والوں کو اصغری سے کس طرح بد ظن کیا ؟

(v) اصغری نے ماما عظمت کی قلعی کس طرح کھولی ؟

۲- ان محاورات اور ضرب الامثال کے معنی لکھیے اور اپنے جُملوں میں استعمال کیجیے :

دودھ کا جلا چھاچھ کو پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ چراغ لے کر ڈھونڈے سے نہ مِلنا۔ چوری کھلنا۔ لحاظ رکھنا۔ باغ باغ ہونا۔ رنگ فق ہونا۔ کھسیانی بات کرنا۔ نقشہ بدلنا۔

۳- اِن جُملوں کو سوالیہ انداز میں لکھیے :

(i) اصغری کی بات بچپن ہی سے محمد کامل سے ٹھہری ہوئی تھی۔

(ii) اس نے گھر کے کاموں میں کوئی دخل نہ دیا

(iii) بہو کہتی ہے کہ میرے سر میں درد ہے۔

(iv) گھر میں قرض کا آنا بالکل بند ہو گیا۔

۴- اصغری کی کہانی میں جن کرداروں کے نام آئے ہیں، ان سب کا آپس میں کیا رِشتہ تھا ؟

۵- اسم معرفہ اور اسم نکرہ الگ الگ لکھیے :

بہن - اصغری - ماں - دودھ - چراغ - بہو - محمد کامل - پکوان - دہلی - حلوائی - لاہور - صندوق -

۲۱۔ مِری چھب مِری چھاں

مِری پاک زمیں ——— مِری پاک زمیں
مِرا نم، مِرا دم، مِری جاں ہے تُو
مِری پت، مِری چھب، مِری چھاں ہے تُو
سدا سُکھ جیوے ——— سدا خُوش تھیوے
مِری پاک زمیں، مِری پاک زمیں

ترے گوٹھ، گراؤں، شہروں کو ——— تری نہروں کو، تری لہروں کو
چپ رستوں، گُم میدانوں کو ——— ان کھیتوں، ان کِھلیانوں کو
گیتوں، گجروں سے بھر دیں گے
تجھے جگمگ جگمگ کر دیں گے
مِری پاک زمیں، مِری پاک زمیں

ہل جوتیں پتّھر توڑیں گے
فولاد سے شہد نچوڑیں گے
تری ریت سے کھیت سجالیں گے ——— ترے سنگ سے رنگ اچھالیں گے
تری نوبت دھم دھم باجے گی ——— ترے سوئے گیت جگالیں گے
ترے نام کا میلہ بھر دیں گے
تجھے جگمگ جگمگ کر دیں گے
مِری پاک زمیں، مِری پاک زمیں

پھولوں کو صبا مِل جائے گی
خوابوں کو قبا مِل جائے گی
ترے دھندلے رنگ نکھاریں گے ——— ترے اُلجھے بال سنواریں گے

ہر بام پہ سُورج چمکے گا   ہر صحن میں چاند اتاریں گے

تجھے روشنیوں سے بھر دیں گے

تجھے جگمگ جگمگ کر دیں گے

مِری پاک زمیں، مِری پاک زمیں

تُو وارث پاک اُجالوں کی

تُو دھرتی شیر جیالوں کی

تری خُوشبو کو چھلکائیں گے   ترے پیار کی جگنی گائیں گے

ترے بھٹی، راشد اور سرور   تری عزّت پر مرجائیں گے

لیکن تجھے زندہ کر دیں گے

تری مانگ گلوں سے بھر دیں گے

تجھے جگمگ جگمگ کر دیں گے

مری پاک زمیں، مری پاک زمیں

(سیّد ضمیر جعفری)

مشقیں

۱۔ اس ترانے میں شاعر نے پاک وطن سے کیا وعدہ کیا ہے؟

۲۔ بھٹی، راشد اور سرور کون تھے؟ ان کے کارنامے اپنے استاد صاحب سے پُوچھیے۔

۳۔ "تری نوبت دھم دھم باجے گی" سے کیا مراد ہے؟

۴۔ اس ترانے سے ہم وزن الفاظ تلاش کیجیے جیسے نہروں، لہروں اور سنگ، رنگ۔

۵۔ اس نظم کے وہ کون کون سے الفاظ ہیں جو پنجابی زبان میں بھی استعمال ہوتے ہیں؟

۲۲۔ کھیت اور کھلیان

ہمارے ہاں سال بھر میں دو فصلیں ہوتی ہیں، ربیع اور خریف۔ ربیع کی فصل موسمِ سرما کے آغاز میں بوئی جاتی ہے اور موسمِ گرما کے شروع میں کاٹ لی جاتی ہے۔ جن اجناس کی اس موسم میں کاشت کی جاتی ہے، ان میں گیہوں، جَو اور چنا زیادہ اہم ہیں۔ اُن کو شروع شروع میں نہ زیادہ گرمی چاہیے نہ سردی۔ البتہ پکتے وقت انہیں تھوڑی گرمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ خریف کی فصل میں وہ اجناس شامل ہیں جو عین موسمِ گرما میں بوئی جاتی ہیں، برسات کے موسم میں پروان چڑھتی ہیں اور سردیاں آتے ہی پک کر تیار ہو جاتی ہیں۔ مکّی، باجرہ، کپاس، گنّا اور دھان وغیرہ اِن میں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔



کپاس کا پودا

مکئی



گنا



باجرہ

ادھر جولائی میں برکھا رُت شروع ہوئی اُدھر بادل گھِر گھِر کے آنے لگے۔ تابڑ توڑ مینہ برسے اور مدّت کے پیاسے کھیت سیراب ہو گئے۔ جن علاقوں میں بارشیں کم ہوتی ہیں وہاں مصنوعی آبپاشی کے وسائل موجود ہیں۔ مصنوعی آبپاشی کئی طریقوں سے ہوتی ہے۔ بعض اضلاع میں کنوئیں ہیں، لیکن اِن سے بہت تھوڑی زمین سیراب ہوتی ہے۔ گھنٹوں کنوئیں چلتے رہیں تب مشکل سے ایکڑ، ڈیڑھ ایکڑ زمین کو پانی دستیاب ہوتا ہے۔ بعض علاقے ایسے بھی ہیں جہاں پانی سطح زمین سے بہت نیچے ہوتا ہے۔ وہاں اس ذریعے سے آبپاشی اور بھی دُشوار ہو جاتی ہے۔

پنجاب میں کئی دریا بہتے ہیں۔ اِس کے علاوہ کئی ندی نالے بھی ہیں۔ برسات کے موسم میں جب پہاڑوں پر متواتر بارشیں ہوتی ہیں، تو اُن میں سیلاب آجاتا ہے اور اُس کا پانی اِرد گرد کے علاقوں میں دُور دُور تک پھیل جاتا ہے۔ جہاں کہیں سیلاب کا پانی پہنچتا ہے وہاں مٹی کی زرخیز تہ جم جاتی ہے جو فصلوں کی نشوونما کے لیے کھاد کا کام دیتی ہے، لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ بارش کثرت سے ہو۔ البتہ نہر کے ذریعے سے آبپاشی بڑی حد تک قابلِ اعتماد ہے۔ پنجاب میں نہروں کا جال بچھا ہُوا ہے۔ لاکھوں ایکڑ زمین جو کبھی بنجر اور غیر آباد پڑی تھی، اِن کی بدولت آباد ہو گئی ہے اور جہاں دُور دُور تک چٹیل میدانوں کے سِوا کچھ نظر نہ آتا تھا، وہاں اب سر سبز کھیت لہلہا رہے ہیں۔ یہ نہروں ہی کی بدولت ہے کہ ہم اپنے صُوبے کو بجا طور پر "غلّے کا ذخیرہ" کہہ سکتے ہیں۔ پنجاب کے دریا برفانی پہاڑوں سے نکلتے ہیں، اس لیے سارا سال بہتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان دریاؤں سے جو نہریں نکالی گئی ہیں، وہ بھی قریباً سارا سال جاری رہتی ہیں اور ربیع اور خریف دونوں موسموں کی فصلوں کو پانی میسّر آجاتا ہے۔

برسات کا موسم ختم ہُوا اور وقت آگیا کہ گیہوں اور ربیع کی دیگر فصلوں کے لیے زمین تیّار کی جائے۔ یہ دن کِسان کے لیے انتہائی مصروفیت کے ہوتے ہیں۔ منہ اندھیرے ہی وہ کھیتوں میں پہنچ جاتا ہے۔ دوپہر تک ہل چلاتا رہتا ہے۔ اس کے بعد سہاگے کے ذریعے ڈھیلوں کو توڑ کر کھیت کو ہموار کرتا ہے۔ اس لگاتار محنت سے کھیت کی مٹّی اتنی نرم اور بھُربھُری ہو جاتی ہے کہ بیج آسانی سے اُگ آتے ہیں اور زمین پانی کو خوب جذب کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ پھر کھیت کو کیاریوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور مینڈیں بنائی جاتی ہیں کہ فصل کو پانی آسانی سے مِل سکے۔

اب جب تک فصل پک کر تیّار نہ ہو جائے بے چارہ کسان تردّد کا شکار رہتا ہے۔ فصل اُگ آتی ہے تو ساتھ ساتھ گھاس اور دُوسری ضرر رساں بُوٹیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ اِن کو نکالنا ضروری ہے ورنہ کھیتی نہ پنپ سکے گی۔ پھر پرندوں اور جانوروں سے حفاظت نہ کی جائے تو ہری بھری فصلیں تباہ

ہو جائیں۔ وقت پر بارش نہ ہو یا کنوؤں اور نہر سے پانی نہ ملے تو پودوں کے سوکھ جانے کا خطر
ہے۔ کہر یا پالا پڑ جائے تو بھی کسان پریشان ہو جاتا ہے۔ اولے آئیں تو لہلہاتے ہوئے کھیت برباد ہو جا
ہیں۔ تیز ہوا چلے یا زیادہ بارش ہو جائے تو کسان کی اُمیدوں پر اوس پڑ جاتی ہے۔ پلے پلائے پودے زمین
پر چوپٹ لیٹ جاتے ہیں۔ غرض کہ ایک جان ہے اور ہزار آفتیں۔

خُدا خُدا کرکے فصل پک کر تیار ہو گئی، تو اب اس کے کاٹنے کی فکر ہے۔ کچھ کُنبے قبیلے کے لوگوں نے
ہاتھ بٹایا، کچھ مزدور اُجرت پر لگائے اور چند دِنوں میں اناج کو کاٹ پُولوں میں باندھ کر کسی ایک جگہ
ڈھیر لگا دیا۔ پھر اس کے قریب ہی زمین کو صاف کرکے اور لیپ پوت کر کھلیان تیار کیے۔ اناج کے گٹھے
وہاں پھیلا دیے اور گاہنے کا کام شروع ہو گیا۔ گندم ہوئی تو پولیاں بچھا کران پر بیلوں کو پھرایا گیا اور
بھُس اور دانے الگ الگ ہو گئے۔ دھان ہوئے تو چھوٹے چھوٹے پولے باندھ کر پکّی ہوئی بالیوں کو کسی کڑی
سے سخت زمین پر پٹخار کر دانوں کو علیحدہ کر لیا گیا۔ مکی کی فصل پک کر تیار ہو گئی تو بھُٹوں کو فرش
پر بچھا کر ڈنڈوں سے کوٹ لیا گیا۔

گندم کو گاہ لینے کے بعد اناج کو بھوسے سے علیحدہ کرنے کا کام ابھی باقی ہے۔ اب ہوا کا انتظار ہے
وہ چلے تو اس کام سے بھی فراغت ہو جائے۔ اِن دِنوں ہوا ساکن ہو جائے تو کسان کا دل گھبرانے لگتا ہے۔ اناج
کھلیانوں میں پڑا ہے۔ بارش ہو گئی تو سیل جائے گا۔ آندھیاں چلیں تو اُڑ کر ضائع ہو جائے گا۔ موافق ہوا
اکثر صبح کو چلتی ہے، اور اس وقت جبکہ دُنیا میٹھی نیند سوتی ہے یہ بے چارہ مزدوروں کے ساتھ مل
کر دانہ اور بھُس علیحدہ کر رہا ہوتا ہے۔ کھلیانوں میں اناج کے ڈھیر لگ گئے تو کسان کا دل خُوشی سے
لگا۔ محنت ٹھکانے لگی۔ سال بھر کے لیے پیٹ بھرنے کا انتظام ہو گیا۔ اب وہ غلّے کو گھر لے آیا۔ ضرورت کے
مطابق کچھ تو گھر میں رکھ لیا، باقی چھکڑوں میں لاد کر منڈی میں پہنچا دیا۔

ہمارے کسان صدیوں سے زراعت کے انہیں طریقوں کے پابند چلے آ رہے تھے، لیکن اب چند برس
سے اُنھوں نے ان طریقوں سے فائدہ اُٹھانا شروع کر دیا ہے جو مغرب کے مُلکوں میں مدّتوں پہلے رائج ہو
اب اُنھوں نے ہل کی جگہ ٹریکٹر، درانتیوں کی جگہ ہارویسٹر اور اسی طرح کی دُوسری مشینیں استعمال کرنا
شروع کر دی ہیں۔ دیسی کھادوں کی جگہ اب وہ کیمیائی کھادیں اپنے کھیتوں میں ڈالتے ہیں۔ جو کیڑے فصل
کے دُشمن ہیں اُنھیں مارنے کے لیے جو دوائیں ایجاد ہوئی ہیں کسان اب اُن سے بھی واقف ہیں۔ سائنسی تجربوں
اور تحقیقات کی بدولت اناج کی، خصُوصاً گندم اور چاول کی جو نئی نئی قسمیں دریافت ہوئی ہیں، وہ ان کو
بیج کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب ان کا کام بھی آسان ہو گیا ہے

اور کھیتوں میں غلّہ بھی زیادہ پیدا ہونے لگا ہے۔ سائنس کی ان ایجادات سے کام لے کر ہمارا کسان ایک دن انشاء اللہ اتنا غلّہ پیدا کرے گا کہ ہم خود کفیل ہو جائیں گے، اور ہمارا وہ بہت سا زرِ مبادلہ بچے گا جو دوسرے ملکوں سے غلّہ خریدنے میں خرچ ہوتا ہے۔

مشقیں

۱۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب دیجیے:

(i) فصلِ ربیع میں کن اجناس کی کاشت کی جاتی ہے؟

(ii) فصلِ خریف میں کون کون سی اجناس کاشت کی جاتی ہیں؟

(iii) مصنوعی آبپاشی کے کون کون سے طریقے ہیں؟

(iv) فصل کو نقصان پہنچانے والی چیزوں کے نام بتائیے؟

(v) کسان نے کاشت کے کن جدید طریقوں کو اپنانا شروع کر دیا ہے؟

(vi) گندم کو گاہتے ہیں۔ بتائیے دھان اور بھٹوں کو کیا کرتے ہیں؟

۲۔ مندرجہ ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

محنت ٹھکانے لگنا ۔ خوشی سے ناچنا ۔ اوس پڑنا ۔ خود کفیل ہونا۔

۳۔ مندرجہ ذیل کے واحد بتائیے:

وسائل ۔ اضلاع ۔ اجناس ۔ ممالک۔

۴۔ اعراب لگا کر تلفظ ظاہر کیجیے۔

فصل ۔ نقصان ۔ اضلاع ۔ ممالک ۔ کھلیان ۔ ساکن ۔ انتظار ۔ موافق ۔ صبح ۔ بارش۔

۵۔ غلط کی جگہ صحیح لفظ سے ہر جملے کو درست کیجیے:

(i) گیہوں موسمِ گرما میں بوتے ہیں۔

(ii) پنجاب کے دریا خشک پہاڑوں سے نکلتے ہیں۔

(iii) اناج پر بارش ہو گئی تو سوکھ جائے گا۔

۲۳۔ دیانت داری

دیانت کو عام زندگی میں ایمانداری کہتے ہیں۔ اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ آدمی روپے پیسے کے معاملے میں بے ایمانی نہ کرے۔ فرض کیجیے کہ میں نے کسی کو بازار سے سودا لانے کے لیے ایک روپیہ دیا۔ یہ آدمی بازار گیا اور سودا خرید کرلے آیا۔ سودا اگر پچاس پیسے میں ملا تو سودا لانے والے نے پچاس پیسے مجھے لوٹا دیے۔ یہ کام ایمانداری کا ہے، لیکن اگر سودا لانے والا سودا تو پچاس پیسے کا لائے اور گھر میں آکر بتائے کہ سودا ساٹھ پیسے کا ملا ہے تو یہ بات دیانت داری یا ایمانداری کے خلاف ہوگی۔

اب اس بات کو ایک اور طرح دیکھیں۔ سودا خریدنے والا سودا خریدنے کے لیے جس دکاندار کے پاس جائے اُس کا فرض ہے کہ خریدار کو سودا اچھا دے۔ سودے میں کوئی خرابی ہے تو خریدار پر ظاہر کردے کہ اس چیز میں فلاں خرابی ہے۔ جو چیز خریدی جارہی ہے اُس کے مناسب دام بتائے اور بہت زیادہ منافع نہ لے۔ یہ سب باتیں دیانت داری یا ایمانداری کی ہوں گی۔ اگر دکاندار نے ان میں سے کسی بات میں بھی کمی کی تو بد دیانت کہلائے گا۔ سودا کم تولنا، اچھے سودے کے دام لے کر بُرا سودا دینا، مال پر بہت نفع لینا اور گاہک کو کم پیسے یا کھوٹے سکّے لوٹانا سب باتیں بد دیانتی اور بے ایمانی کی ہیں۔ جو سوداگر مال چھپا کر رکھتے ہیں تاکہ ضرورت مند گاہک کے ہاتھ مہنگا بیچیں، وہ بھی بد دیانت ہیں اور جو سوداگر اپنی چیزوں میں میل کرکے کھرے مال کی بجائے کھوٹا مال بیچتے ہیں، وہ بھی بد دیانت ہیں۔

بد دیانتی انسان کو معاشرے میں بے اعتبار بنا دیتی ہے۔ لوگوں کو جب معلوم ہوجائے کہ فلاں شخص کی عادت جھوٹ بولنے کی ہے یا فلاں شخص دھوکے بازی سے کام لیتا ہے تو وہ اس کا اعتبار نہیں کرتے وہ جہاں بھی جاتا ہے لوگ اس کی طرف نفرت اور حقارت سے دیکھتے ہیں۔ ایسا آدمی خُود اپنی نظر میں بھی حقیر اور ذلیل ہوجاتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ایسے لوگوں سے اللہ تعالےٰ بھی خُوش نہیں ہوتا۔ اللہ تعالےٰ کی خُوشنودی تو اُس کے بندوں کی خُوشنودی سے حاصل ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے ہمیشہ نیکی کا راستہ اختیار کیا اور اپنی نیکی سے اللہ کے بندوں کے لیے راحت اور سکُون کا باعث بنے اور اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں بھی پسندیدہ ٹھہرے۔ ان میں سے بعض بزرگ ایسے تھے جنھوں نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور اس پیشے میں ہمیشہ اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ بہت بڑے تاجر تھے۔ مختلف شہروں میں ان کا کاروبار تھا۔ بڑے بڑے

سوداگروں سے ان کا لاکھوں کا لین دین تھا۔ اُس وسیع کاروبار کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان کے خزانے میں کبھی ایک پائی بھی ناجائز طور پر داخل نہ ہوسکتی تھی۔ ان کے پُورے کاروبار کی بُنیاد دیانت پر تھی اور یہ دیانت اُنھیں اس حد تک عزیز تھی کہ اُس کی وجہ سے انھیں کوئی نقصان بھی اٹھانا پڑتا تو انھیں ذرا بھی ملال نہیں ہوتا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اُنھوں نے قیمتی کپڑے کے کچھ تھان فروخت کے لیے ایک جگہ بھیجے۔ اُن میں سے بعض تھان ناقص تھے۔ امام اعظمؒ نے تھان بھیجتے وقت کہلوا دیا تھا کہ فلاں فلاں تھان میں عیب ہے اس لیے انھیں کسی کے ہاتھ فروخت کرتے وقت گاہک کو اس عیب سے خبردار کردیا جائے۔ فروخت کرنے والے کو امام اعظمؒ کی ہدایت یاد نہ رہی اور اُس نے تھان خریدار کے ہاتھ ان کا عیب اور نقص بتائے بغیر فروخت کر دیے۔ امام اعظمؒ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو انھیں سخت افسوس ہوا۔ خریدار کا کچھ اتاپتا معلوم نہ تھا، اس لیے امام اعظمؒ کے ارشاد کے مطابق تیس ہزار درہم کی یہ پُوری رقم خیرات میں دے دی گئی۔

یہ واقعہ تو سامان فروخت کرنے کا تھا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ خریداری کے متعلق بھی مشہور ہے۔ ایک دن ایک عورت ریشم کا ایک قیمتی تھان فروخت کرنے کی غرض سے لائی۔ امام صاحب نے تھان کے دام پُوچھے تو اس نے سو روپے بتائے۔ امام صاحب نے فرمایا یہ تو کم ہیں۔ عورت نے کہا کہ اگر کم ہیں تو دو سو دے دیجیے۔ امام صاحب بولے کہ "نہیں! تمھارا تھان پانچ سو رُوپے سے کم کا نہیں ہے۔"

عورت نے امام صاحب کی بات سُنی تو کہنے لگی کہ "آپ مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہے"؟ امام صاحب نے فرمایا: "نہیں! اس میں مذاق کی کیا بات ہے۔ میں تو تھان کی وہی قیمت دے رہا ہوں جو میرے اندازے کے مطابق مناسب ہے۔"

یونس بن عبید اپنے زمانے کے مشہور عالم تھے، وہ ریشمی کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک خاص مقام پر ریشم کا نرخ چڑھ گیا۔ اُنھوں نے ایک دکاندار سے تیس ہزار کا ریشم خریدا۔ بیچنے والے نے وہ ریشم پُرانے نرخ پر دیا۔ یُونس نے ریشم فروش سے پُوچھا: "کیا تمھیں اس بات کی خبر ہے کہ بازار میں ریشم کے دام چڑھ گئے ہیں؟"

اُس نے کہا: "نہیں۔ مجھے تو بالکل خبر نہیں۔ اگر خبر ہوتی تو اپنا مال آپ کے ہاتھ کیوں بیچتا؟"

یُونس نے یہ سُن کر خریدا ہُوا ریشم اس کے مالک کو لوٹا دیا اور کہا: "میں آپ کی بے خبری سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا۔"

تاجروں کی دیانتداری کے جو واقعات ہم نے سنائے انھیں پڑھ کر ہماری سمجھ میں آتا ہے کہ تجارت میں دیانت کے کیا معنی ہیں اور تاجر کے لیے دیانت کے طریقوں پر عمل کرنا کتنا ضروری ہے۔

مشقیں

۱- جواب دیجیے:

(i) دیانت داری کے خلاف کام کرنے والے کو ہم کیا کہتے ہیں؟

(ii) دکاندار کی دیانت داری میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں؟

(iii) جھوٹ بولنے اور فریب کرنے والے آدمی کو معاشرے میں کیسی نظر سے دیکھا جاتا ہے؟

(iv) اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کس طرح حاصل ہوتی ہے؟

(v) تھانوں کی قیمت سے جو رقم موصول ہوئی اُسے امام اعظمؒ نے کیوں خیرات کر دیا؟

۲- ان لفظوں کے واحد بتائیے:

اوقات - واقعات - معمولات۔

۳- نیچے لکھے ہوئے لفظوں کی جمع بتائیے:

سوال - جواب - شخص - حال - واقعہ - لقب

۴- سبق میں سے پانچ اسم معرفہ اور پانچ اسم نکرہ چُن کر اپنی کاپی میں لکھیے۔

۲۴۔ احتیاط اور علاج

اسلم اپنے چچا جان کے ساتھ بازار گیا ہوا تھا۔ وہ جُوتوں کی ایک دکان پر بیٹھے ہی تھے کہ باہر ایک شور سنائی دیا۔ لوگ اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ خوانچہ فروش چھابڑیاں سَروں پر رکھ کر بازار کی تنگ گلیوں میں گُھس رہے تھے۔ اسلم سے رہا نہ گیا۔ باہر آکر تماشا دیکھنے لگا۔ اتنے میں ایک ٹرک بازار سے گزرتا ہُوا دکھائی دیا اور ساتھ ہی کچھ لوگ خوانچہ فروشوں اور ریڑھے والوں کے گلے سڑے پھل زمین پر پھینکنے لگے۔ دیکھتے دیکھتے فرش پر پھل ہی پھل نظر آنے لگے۔ اِن میں سے کچھ تو لوگوں کے پاؤں تلے روندے گئے، باقی اِدھر اُدھر نالیوں میں لڑھک گئے۔ کچھ دکانوں سے پھلوں کے ٹوکرے اٹھاکر ٹرک پر آنے والوں نے ٹرک میں ڈال لیے۔ بازار میں ایک میلہ سا لگ گیا۔ تمام دکاندار اور راہ گیر تماشا دیکھنے لگے۔ مگر ٹرک اور ٹرک والے ذرا سی دیر میں یہ تماشا کرکے وہاں سے چل دیے۔ یہ بات اسلم کی سمجھ میں نہ آئی۔ اُس نے اپنے چچا جان سے پُوچھا:

"چچا جان، یہ کون لوگ تھے اور اُنھوں نے پھل فروشوں کے پھل یُوں اِدھر اُدھر کیوں پھینک دیے؟" چچا جان نے کہا: "بیٹا! یہ کمیٹی کا ٹرک تھا اور کمیٹی کے محکمۂ صحت کے لوگ یہ دیکھ رہے تھے کہ لوگ گلے سڑے اور کچے پھل تو نہیں بیچ رہے۔" اسلم نے پُوچھا کہ "چچا جان اگر یہ لوگ سستا پھل بیچتے ہیں تو کمیٹی والوں کا اس میں کیا نقصان ہے۔ وہ انھیں روکتے کیوں ہیں؟" چچا جان نے جواب دیا: "بیٹا! آج کل برسات کا موسم ہے۔ تُم دیکھ رہے ہو ہر طرف مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں۔ یہی مکھیاں گلی سڑی چیزوں پر بیٹھتی ہیں۔ وہ چیزیں لوگ خرید کرلے جاتے ہیں اور انھیں کھاکر بیمار ہوجاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ برسات کے موسم میں پیچش، ہیضہ اور ٹائیفائیڈ جیسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں۔ چنانچہ محکمہ صحت والے ایسی تمام چیزوں کو تلف کردیتے ہیں جن سے بیماریاں پھیلنے کا ڈر ہو۔"

اسلم نے کہا: "چچا جان پیچش تو ایک دفعہ مجھے بھی ہوگئی تھی۔ پیٹ میں درد اور مروڑ ہی کو پیچش کہتے ہیں نا؟ بڑی تکلیف دہ بیماری ہے! لیکن یہ ہیضہ کیسے پھیلتا ہے؟" چچا جان نے اسے بتایا کہ "ہیضہ بڑا مُوذی مرض ہے۔ آج کل تو نئی نئی دوائیں ایجاد ہوگئی ہیں اور اس بیماری پر بُو پا لیا گیا ہے، ورنہ پُرانے زمانے میں جب یہ بیماری پھیلتی تھی تو گھروں کے گھر اور محلّوں کے محلّے ویران ہوجاتے تھے۔" "وہ کیسے چچا جان؟" اسلم نے پُوچھا۔ "بیٹا یہ بیماری

بہت جلد پھیلتی ہے۔ ایک شخص سے دُوسرے کو اور دُوسرے سے تیسرے کو لگتی چلی جاتی ہے۔" چچاجان نے جواب دیا۔

اسلم: "چچاجان اِس بیماری میں ہوتا کیا ہے؟"

چچاجان: "یہ بیماری اچانک لگ جاتی ہے۔ مریض کو جلد جلد قے اور دست آنے لگتے ہیں، ٹانگوں میں درد ہونے لگتا ہے۔ پٹھے اکڑنے لگتے ہیں اور دیکھتے دیکھتے مریض نڈھال ہو کر مرجاتا ہے۔"

اسلم: "لیکن چچاجان یہ بیماری ایک شخص سے دوسرے شخص کو کیسے لگ جاتی ہے؟"

چچاجان: "بیٹا یہ مرض جراثیم کے ذریعے پھیلتا ہے۔ جراثیم بہت چھوٹے چھوٹے کیڑے ہوتے ہیں، اتنے چھوٹے کہ نظر بھی نہیں آتے۔ انھیں صِرف خُوردبین ہی سے دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ جراثیم انسان کے جسم میں داخل ہو کر زہر پیدا کر دیتے ہیں۔"

اسلم: "یہ جراثیم کہاں سے آتے ہیں؟"

چچاجان: "جراثیم ہوا میں موجُود ہوتے ہیں اور گلے سڑے پھلوں میں بہت جلد پرورش پاتے ہیں۔ جب کوئی اِن پھلوں کو کھا لیتا ہے، تو جراثیم اُس کے پیٹ میں جاکر زہر پھیلا دیتے ہیں۔"

اسلم: "لیکن اِس طرح تو وہی شخص بیمار ہوتا ہوگا، جس نے گلے سڑے پھل کھائے ہیں۔ دُوسرے لوگوں کو یہ بیماری کیسے لگ جاتی ہے؟"

چچاجان: "بیٹا پہلے تو یہ جراثیم گلے سڑے اور گندے پھل کھانے سے پیٹ میں جاتے ہیں۔ پھر جب مریض قے اور دست کرتا ہے تو اس میں بھی یہ جراثیم موجود ہوتے ہیں۔ اس مواد پر جب مکھیاں بیٹھتی ہیں تو جراثیم مکھیوں کے پاؤں سے چمٹ جاتے ہیں اور وہی مکھیاں جب گھروں میں کھانے پینے کی چیزوں پر بیٹھتی ہیں تو جراثیم اُن میں بھی داخل ہو جاتے ہیں اور دُوسرا تندرست انسان اِن جراثیم والی چیزوں کو کھا لیتا ہے تو وہ بھی بیمار پڑجاتا ہے۔ اِس طرح یہ بیماری بہت جلد پھیل جاتی ہے۔"

اسلم: "تب تو یہ مکھیاں بڑی خطرناک چیز ہیں چچاجان، ان کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔"

چچاجان: "ہاں بیٹا، لیکن مکھیاں اتنی کثرت سے پیدا ہوتی ہیں کہ اُن سب کا مارنا ممکن نہیں ہوتا، اس لیے یہ احتیاط کی جاتی ہے کہ لوگ گلے سڑے اور گندے پھل نہ کھائیں۔ یہ کوشش بھی کی جاتی ہے کہ گلی کُوچوں میں گندگی کے ڈھیر نہ جمع ہوں، اس لیے کہ مکھیاں غلاظت کے اُن ڈھیروں میں انڈے، بچے دیتی ہیں۔ اسی لیے صفائی پر زور دیا جاتا ہے۔ اگر لوگ گھروں کو، جسم کو، کپڑوں اور گلی کُوچوں کو صاف سُتھرا رکھیں تو نہ جراثیم پرورش پاسکیں گے اور نہ مکھیاں اتنی کثرت سے

پیدا ہوں گی اور نہ بیماریاں پھیلیں گی۔" چچا جان اور کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے کہ یہ بیماری نہ پھیلنے پائے۔" اسلم نے سوال کیا۔

"بیٹا صفائی اور کھانے پینے میں احتیاط سب سے ضروری ہے۔ تم بھی احتیاط کیا کرو۔ عام طور پر گلیوں میں یا سکول کے اِردگِرد دکاندار چھابڑیاں لگا کر بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ اَن پڑھ لوگ صحت کے اصولوں سے واقف نہیں ہوتے، اپنی چیزوں کو ڈھانپ کر نہیں رکھتے اور نہ صفائی کا خیال رکھتے ہیں۔ گندے ہاتھوں سے چیزیں بیچتے ہیں۔ چیزیں کھلی رکھتے ہیں جن پر مکھیاں بھنبھناتی رہتی ہیں۔ تازہ اور اچھے پھلوں کی بجائے گندے، کچے یا گلے سڑے پھل بیچتے ہیں۔ یہی بیماری کی جڑ ہوتے ہیں۔ ایسی چیزیں کھانے سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیے۔" چچا جان نے جواب دیا۔

"لیکن چچا جان اس بیماری کا علاج کیا ہے؟"

"بیٹا، ہیضے سے بچنے کے لیے کچھ حفاظتی تدابیر ہیں۔ اوّل تو وہی صفائی اور کھانے پینے میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ آج کل ہیضے سے بچاؤ کے ٹیکے بھی لگائے جاتے ہیں۔" چچا جان نے جواب دیا۔

"لیکن چچا جان اگر کوئی بیمار ہو ہی جائے تو پھر کیا کرنا چاہیے؟"

"بیٹا سب سے پہلا کام تو یہ ہے کہ فوراً ڈاکٹر سے مشورہ لیا جائے۔ بروقت علاج سے مریض کی جان بچ سکتی ہے۔ لیکن مریض کے گھر والوں کو بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ دودھ اور پانی اُبال کر پینا چاہیے، اس لیے کہ اُبالنے سے جراثیم مر جاتے ہیں۔ گھر میں کھانے پینے کی چیزوں کو کھلا نہیں رکھنا چاہیے تاکہ مکھیاں اُن پر نہ بیٹھیں۔"

"او چچا جان ہم باتوں میں ایسے کھو گئے کہ جوتے خریدنا بھول ہی گئے۔" اسلم نے کہا۔ وہ دونوں پھر دکان کے اندر گئے اور اسلم میاں کی پسند کے جوتے خرید کر گھر واپس آ گئے۔

مشقیں

۱۔ مندرجہ ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

قابو پانا۔ باتوں میں کھو جانا۔ ترس آنا۔ نڈھال ہونا۔

۲- آپ کے سبق میں ایک لفظ ہے "تکلیف دِہ"۔ یہ دو لفظوں یعنی "تکلیف" اور "دِہ" سے مِل کر بنا ہے اور اس کے معنی ہیں تکلیف دینے والا۔ اسی طرح خُوش نما۔ دو لفظوں یعنی "خُوش" اور "نما" سے مل کر بنا ہے۔ آپ تین الفاظ ایسے بنایئے جن کے آخر میں "دِہ" اور تین الفاظ ایسے بنایئے جن کے شروع میں "خُوش" آتا ہو۔

۳- مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دیجیے۔

(i) ہیضہ کی کیا علامات ہیں؟

(ii) ہیضہ کیسے پھیلتا ہے؟

(iii) ہیضے سے بچنے کی کیا تدابیر ہیں؟

۴- آپ کو معلوم ہے کہ اسم کسی شخص، جگہ یا شے کا نام ہے اور وہ اکیلا اپنے معنی دیتا ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ساخت کے اعتبار سے اسم کی تین قسمیں ہیں: مصدر، مشتق اور جامد۔ مصدر وہ اسم ہے جس سے فعل اور صیغے مشتق ہوں اور جس میں ہونا، کرنا یا سہنا پایا جائے۔ جیسے اُٹھنا، بیٹھنا، آنا، جانا، ہونا وغیرہ۔ اُوپر کے سبق میں جتنے مصدر آئے ہیں انہیں چُن کر اپنی کاپی میں لکھیے۔

۲۵۔ صُبحِ وطن

وہ جلوہ سحر کا، وہ چڑیوں کا گانا
وہ ٹھنڈی ہوائیں، وہ منظر سُہانا
وہ پھولوں کا کِھلنا، وہ بُو بھینی بھینی
مسرّت سے کلیوں کا وہ مُسکرانا

اُفق پر وہ سُرخی، وہ رنگین بادل
وہ پُورب میں سُورج کا جلوہ دکھانا
درختوں کا وہ جھومنا مَست ہو کر
وہ پتّوں کا خُوش ہو کے تالی بجانا

خدا کے وہ بندوں کا بیدار ہونا
وہ مُنہ ہاتھ دھونا، وہ اُن کا نہانا
وہ پھر کام میں اپنے مصروف رہ کر
مشقّت سے محنت سے روزی کمانا

وہ بیلوں کے گھُنگرو، وہ ٹن ٹن سُہانی
کسانوں کا اُٹھ کر وہ کھیتوں میں جانا
وہ سرسبز کھیتوں کی دِلکش ادائیں
وہ شاداب کھیتی کا منظر سُہانا

وہ بچّوں کا خُوش ہو کے بستر سے اُٹھنا
وہ کپڑے بدلنا، وہ بستہ اُٹھانا
مسرّت سے پھر سب کا تیّار ہونا
وہ پھر ناشتا کر کے اسکُول جانا

وہ ایک ایک بستی کے گھر گھر میں رونق
وہ جھاڑو بہارو وہ کھانا پکانا

نرالی ہیں یُوں تو فضائیں وطن کی
مگر اِس کا وقتِ سحر ہے یگانا
زمانے سے بڑھ کر زمانے سے بہتر
یہی سب نے سمجھا، یہی سب نے مانا

(شفیع الدّین نیّر)

مشق

۱- جواب دیجیے:

(i) شاعر نے پہلے چار شعروں میں صُبح کا منظر کیسے بیان کیا ہے؟

(ii) عام لوگوں، کسانوں، بچّوں اور گھروں کا ذکر شاعر نے کس طرح کیا ہے؟

(iii) آخری دو شعروں میں کس چیز پر زور دیا گیا ہے؟

۲- غلطیاں دُرست کیجیے:

ا- افق پر اندھیرا۔

ب- پچھم میں سورج کا جلوہ۔

ج- بچّوں کا کھیتوں میں جانا۔

د- درختوں کا تالی بجانا۔

۳- کسی کتاب یا رسالے سے ایک ایسی ہی نظم تلاش کرکے کاپی میں لکھیے جس میں صُبح کا منظر بیان کیا گیا ہو۔

۴- اس نظم میں جو مصدر استعمال ہوئے ہیں اُنھیں چُن کر اپنی کاپی میں لکھیے۔

۲۶۔ خُوش حال خاں خٹک

اگر ہمیں کبھی سڑک کے راستے لاہور سے یا راولپنڈی سے پشاور جانا پڑے تو ہم دریائے اٹک کے پُل پر سے گزرتے ہیں۔ اِس پُل سے گزر کر ہم پشاور کی طرف چلتے ہیں تو کچھ فاصلے پر شمال کی جانب اُونچائی پر ایک گاؤں دکھائی دیتا ہے جس کا نام اکوڑہ خٹک ہے۔ یہی گاؤں پشتو کے مشہور اور عظیم شاعر خُوش حال خاں خٹک کی جائے پیدائش ہے۔

پشاور کو جانے والی یہ سڑک "جرنیلی سڑک" کہلاتی ہے۔ انگریزی میں اسے جی ٹی روڈ یعنی گرانڈ ٹرنک روڈ کہتے ہیں۔ موضع اکوڑہ کے ایک طرف دریائے کابل ہے جو آگے چل کر دریائے سندھ میں شامل ہو جاتا ہے۔ دریائے سندھ بھی اکوڑہ کے بالکل قریب بہتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ گاؤں بڑی خُوبصورت جگہ پر آباد ہے۔ اس کے چاروں طرف کا منظر بڑا دلکش ہے۔ یہاں سے کوئی چھ کلومیٹر جنوب کی طرف پہاڑ کے دامن میں خُوش حال خاں کا مزار ہے، جو اس کی وصیّت کے مطابق اس جگہ بنایا گیا تھا۔ مزار کے سرہانے خُوش حال خاں کا ایک شعر پتھر پر کندہ ہے۔ اس شعر میں خُوش حال خاں نے کہا ہے: "میں نے افغان قوم کی عزّت کے لیے تلوار کمر سے باندھ لی ہے۔ میں غیرت اور ہمّت والا خُوش حال خاں خٹک ہُوں۔"

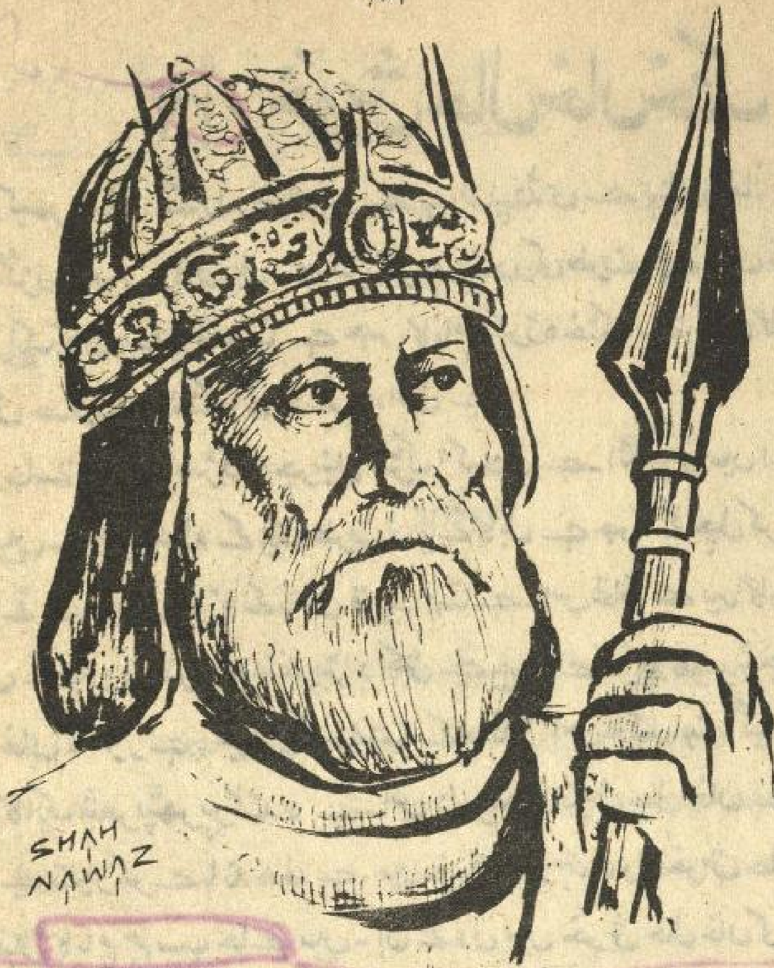
علامہ اقبالؒ کا نام ہم سب جانتے ہیں۔ اِن کے دل میں خُوش حال خاں کی بڑی عزّت تھی۔ اُنھوں نے اپنے شعروں میں کئی جگہ اِن کا ذِکر کیا ہے۔

اقبالؒ اور خوش حال خاں کے خیالات بھی بہت سی باتوں میں ایک سے تھے۔ اقبالؒ نے خوش حال خاں کی وصیّت کو بڑی خُوبی سے اُردو میں نظم کیا ہے اور وصیّت کی تمام باتوں کو عُمدگی سے پیش کیا ہے۔ مثلاً ؎

محبّت مجھے اُن جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

یہاں اُن جوانوں کی تعریف کی گئی ہے جن کے خیالات اُونچے اور جن میں بڑے بڑے کام کرنے کی ہمّت ہے۔

خٹک پٹھانوں کے ایک قبیلے کا نام ہے۔ یہ قبیلہ ضلع پشاور کی تحصیل نوشہرہ کے علاوہ ضلع مردان اور ضلع کوہاٹ کے کچھ حصّے میں آباد ہے۔ خُوش حال خاں آج سے کوئی ساڑھے تین سو برس پہلے اس قبیلے کے بڑے سردار اور بڑے خان کے ہاں اکوڑہ نامی گاؤں میں پیدا ہُوئے۔ اُس وقت برِّصغیر میں مشہور مغل بادشاہ جہانگیر کی حکومت تھی۔ یہ وہی جہانگیر بادشاہ ہے جس کا مقبرہ لاہور



میں ہے۔ تمھیں معلوم ہے کہ جہانگیر بادشاہ کے والد کا نام اکبر تھا۔ یہ وہی اکبر بادشاہ ہے جس نے لاہور کا مشہور قلعہ بنوایا تھا۔

خُوشِ حال خاں خٹک کا پردادا اکوڑی اپنے علاقے کا بڑا "خان" یعنی سردار تھا۔ وہ بہت بہادر تھا۔ لوگ اُس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اکبر بادشاہ نے اُس کی تعریف سُنی تو اسے اپنا منصب دار مقرّر کر دیا۔ اکوڑی کے بیٹے کا نام یحییٰ خاں تھا۔ وہ اور اس کے بعد شہباز خاں مغل بادشاہوں کے منصب دار رہے اور اچھے طریقے سے اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

شہباز خاں کا انتقال ہُوا تو خُوشِ حال خاں کی عُمر ۲۸ سال تھی۔ اس وقت ہندوستان پر مُغل بادشاہ شاہجہاں کی حکومت تھی۔ شہباز خاں کے انتقال کے بعد بادشاہ نے خُوشِ حال خان کو منصب دار بنا دیا۔ وہ خُوشِ حال خاں کی بڑی عزّت کرتا تھا۔

خوشِ حال خاں نے بھی اپنے شعروں میں کئی جگہ شاہ جہاں بادشاہ کی اور جہانگیر بادشاہ کی تعریف کی ہے۔ غرض جس طرح خُوشِ حال کے باپ، دادا اور پردادا نے مغل بادشاہوں کے زمانے میں عزّت کی

زندگی بسر کی، اسی طرح خُوش حال خاں کو بھی بڑی عزّت حاصل رہی۔ لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ بعض وجوہ کی بنا پر خُوش حال خاں اور مغل شہنشاہ کے درمیان اختلاف پیدا ہو گئے اور اس کا ذکر اس کی شاعری میں واضح طور پر موجود ہے۔

خُوش حال خاں نے اپنی شاعری کے ذریعے مُسلمانوں کو عزّت اور خُودداری کی زندگی بسر کرنے کی تعلیم دی ہے۔ وہ لوگوں کو بہادری اور جہاد کا سبق دیتا تھا۔ اس لیے کچھ لوگوں نے اُسے پشتو کا مجاہد شاعر کہا ہے۔ اس کے کلام میں جگہ جگہ یہ سبق دیا گیا ہے کہ انسان کو زندگی کی سختیوں کا مقابلہ ڈٹ کر کرنا چاہیے۔

شاعری کے ذریعے اس نے جو پیغام دیا ہے اس میں بڑا جوش اور ولولہ ہے۔ اس کا پیغام عزّت اور آزادی سے زندگی بسر کرنے کا پیغام ہے۔ اس کا کلام پڑھ کر آدمی کے خیالات میں بلندی اور ارادوں میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ نے بھی خُوش حال خاں کی بہت تعریف کی ہے۔

خُوش حال خاں نے اپنے خیالات یا تو فارسی زبان میں بیان کیے ہیں یا پشتو میں، لیکن یہ خیالات ایسے ہیں کہ جو کوئی سُنتا ہے اس کے دِل میں نیکی اور بہادری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ آیئے اس کے کچھ شعروں کے ترجمے پڑھیں۔

خُوش حال خاں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "دُنیا میں صرف نیک نام باقی رہتا ہے اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ ہمیں بُرے لوگوں کی بُرائیاں یاد رہتی ہیں اور نیک لوگوں کی نیکیاں۔ کافر اگر نیک ہے تو کافر ہو کر بھی اچھا ہے۔"

"وہ چیز جو سلطنت سے بھی بہتر ہے وہ صحت مند جسم ہے۔ جو چیز عزّت و توقیر سے بہتر ہے، وہ پاک دامنی اور صداقت ہے۔ جو چیز انسان کو غموں سے نجات دلاتی ہے وہ قناعت ہے۔ دُنیا میں اگر کوئی دوزخ ہے تو وہ نادان کی دوستی ہے۔"

"اے خوش حال! اپنی نیّت نیک رکھ۔ دُنیا میں اگر کوئی چیز اچھی ہے، تو وہ نیک نیّتی ہے۔"

"جس مُنہ سے جھوٹ نِکلے وہ کب مُنہ کہلانے کے قابل ہے۔ مُنہ تو وہ ہے جس سے سچ نِکلے۔"

"جھوٹ بولنے والے خزاں کے مارے ہُوئے ہیں۔ سچ بولنے والوں کے چہرے سدا بہار ہوتے ہیں۔"

"میدانِ جنگ میں ہمّت کر کے آگے بڑھ۔ اگر تو زندہ بچ گیا تو لوگوں کی نظر میں عزیز ہو گا، اگر مر گیا تو تجھ پر اللہ کی رحمت ہو گی۔"

خُوشِ حال خاں نے اپنی ساری زندگی سچائی کی خدمت میں گزار دی۔ سچ کہتے ہُوئے اس نے کبھی

دِل میں کسی کا خوف نہیں پیدا ہونے دیا۔ اس نے لوگوں کو جھوٹ کے راستے سے ہٹانا چاہا تو بعض لوگ اس سے خفا ہو گئے لیکن اس نے اس خفگی کی پروا نہ کی۔ اسی بات کو خُوش حال خاں نے اپنے ایک شعر میں نظم کیا ہے۔ کہتے ہیں:

"میرے گاؤں میں ایک شخص بھی میرا خیر خواہ نہیں۔ میرا گناہ فقط یہ ہے کہ میں سچ بولتا ہُوں۔"

اِسی بات کو اقبالؒ نے اپنے ایک شعر میں یُوں نظم کیا ہے۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہے بیگانے بھی ناخُوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

اِن دونوں عظیم شاعروں کی یہ بات ہمیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ سچ بولنا بہت بڑی نیکی ہے اور اس نیکی کو کسی حالت میں بھی ترک نہیں کرنا چاہیے۔

مشقیں

۱- جواب دیجیے:

(i) خُوش حال خاں کی قبر پر جو شعر کندہ ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

(ii) علّامہ اقبالؒ نے اپنے شعروں میں خُوش حال خاں کے متعلّق کیا باتیں کہی ہیں؟

(iii) اکبر بادشاہ نے اکوڑی کو اپنا منصب دار کیوں مقرّر کیا؟

(iv) خُوش حال خاں نے اپنی شاعری کے ذریعے ہمیں کیا پیغام دیا ہے؟

(v) خُوش حال خاں کی اور اقبالؒ کی کون سی باتیں ہمیں یاد رکھنی چاہییں۔

۲- عظیم شاعر۔ خوبصورت جگہ۔ اچھی باتیں۔ صحت مند جسم میں کون سے لفظ صفت ہیں اور کون سے موصوف؟

۳- الفاظ ذیل کے جمع یا واحد لکھیے:

جوان۔ سردار۔ طریقے۔ خیالات۔ ارادوں۔ ترجمے۔ چہرہ۔ لوگوں۔ بیگانہ۔

۴- آپ کو معلوم ہے کہ جو اسم مصدر رہو نہ مشتق اسے اسم جامد کہتے ہیں۔ مثلاً ہاتھی، گھوڑا، اونٹ، قلم، کاغذ، ٹوپی، جُوتا، گھر اور بازار وغیرہ۔ سبق میں سے دس اسم جامد چُن کر اپنی کاپی میں لکھیے۔

۲۷- ایک مکڑا اور مکھّی

اک دن کسی مکھّی سے یہ کہنے لگا مکڑا
اس راہ سے ہوتا ہے گزر روز تمھارا
لیکن مِری کٹیا کی نہ جاگی کبھی قسمت
بُھولے سے کبھی تُم نے یہاں پاؤں نہ رکھا
غیروں سے نہ ملیے تو کوئی بات نہیں ہے
اپنوں سے مگر چاہیے یُوں کِھنچ کے نہ رہنا
آؤ جو مِرے گھر میں تو عزّت ہے یہ میری
وہ سامنے سیڑھی ہے جو منظُور ہو آنا
مکھّی نے سُنی بات جو مکڑے کی تو بولی'
حضرت! کسی نادان کو دیجے گا یہ دھوکا
اس جال میں مکھّی کبھی آنے کی نہیں ہے
جو آپ کی سیڑھی پہ چڑھا پھر نہیں اُترا
مکڑے نے کہا، واہ! فریبی مجھے سمجھیں
تُم سا کوئی نادان زمانے میں نہ ہوگا
منظُور تمھاری مجھے خاطر ہے وگرنہ
کچھ فائدہ اپنا تو مِرا اس میں نہیں تھا
اُڑتی ہُوئی آئی ہو خُدا جانے کہاں سے
ٹھہرو جو مِرے گھر میں تو ہے اس میں بُرا کیا
اس گھر میں کئی تُم کو دکھانے کی ہیں چیزیں
باہر سے نظر آتا ہے یہ چھوٹی سی کُٹیا
لٹکے ہُوئے دروازوں پہ باریک ہیں پردے
دیواروں کو آئینوں سے ہے میں نے سجایا

مہمانوں کے آرام کو حاضر ہیں بچھونے
ہر شخص کو ساماں یہ میسر نہیں آتا
مکھی نے کہا خیر! یہ سب ٹھیک ہے لیکن
میں آپ کے گھر آؤں یہ اُمید نہ رکھنا
اِن نرم بچھونوں سے خدا مجھ کو بچائے
سو جائے کوئی اُن پہ تو پھر اُٹھ نہیں سکتا
مکڑے نے کہا دل میں، سُنی بات جو اس کی
پھانسوں اسے کس طرح یہ کم بخت ہے دانا
سو کام خوشامد سے نکلتے ہیں جہاں میں
دیکھو جسے دُنیا میں خوشامد کا ہے بندا
یہ سوچ کے مکھی سے کہا اس نے بڑی بی!
اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رتبا
ہوتی ہے اُسے آپ کی صُورت سے محبّت
ہو جس نے کبھی ایک نظر آپ کو دیکھا
آنکھیں ہیں کہ ہیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں
سر آپ کا اللہ نے کلغی سے سجایا
یہ حُسن، یہ پوشاک، یہ خوبی یہ صفائی
پھر اس پہ قیامت ہے یہ اُڑتے ہوئے گانا
مکھی نے سُنی جب یہ خوشامد تو پسیجی
بولی کہ نہیں آپ سے مجھ کو کوئی کھٹکا
اِنکار کی عادت کو سمجھتی ہُوں بُرا میں
سچ یہ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا
یہ بات کہی اور اُڑی اپنی جگہ سے
پاس آئی تو مکڑے نے اُچھل کر اُسے پکڑا

بُھوکا تھا کئی روز سے اب ہاتھ جو آئی
آرام سے گھر بیٹھ کے مکھّی کو اُڑایا

(اقبالؒ)

مشقیں

۱- مکڑے اور مکھّی کی گفتگو کو اپنے لفظوں میں اِس طرح لکھیے جیسے دو آدمی آپس میں باتیں کرتے ہیں۔

۲- اس نظم کی کہانی کو اپنے لفظوں میں لکھیے۔

۳- "سو کام خوشامد سے نِکلتے ہیں جہاں میں" اس پر ایک چھوٹا سا مضمون لکھیے اور اس کے درمیان کوئی واقعہ بھی لائیے۔

۴- کھنچ کے رہنا۔ میسّر آنا۔ خاطر منظور ہونا۔ خوشامد کا بندہ۔ دِل توڑنا کو جُملوں میں استعمال کیجیے۔

۲۸۔ پہیلیاں

(۱)

کاغذ میں اِک دھاگا
چھوڑ کے ناظم بھاگا

(۲)

راجا کے راج میں نہیں
مالی کے باغ میں نہیں
چھیلو تو چھلکا نہیں
کھاؤ تو گٹھلی نہیں

(۳)

ایک گز کا طول
کبھی کلی، کبھی پھول

(۴)

کبھی چھوٹا کبھی بڑا
بے سہارا فضا میں کھڑا
شب کو آئے، دن کو جائے
بُوجھنے والا مجھ کو بتائے

(۵)

پہاڑ کے اوپر ایک پہاڑ
اس کے اندر ایک غار
جو کچھ غار کے اندر جائے
دھول بن کر باہر آئے

(۶)

کیا جانو وہ کیسا ہے
جیسا دیکھو ویسا ہے
مطلب اس کا سُوجھے گا
مُنہ دیکھے تو بُوجھے گا

(۷)

آپ جلے، نا مجھے جلائے
اس کا جلنا، میرے من بھائے
گھوم گھوم کے ہُوئی تیار
سب کو آئے اس پر پیار

(۸)

خدا کی کھیتی کا دیکھا یہ حال
نہ کوئی پتّا، نہ کوئی ڈال
نہ بیج ہی ڈالا، نہ جوتا ہل
نہ لگا اس میں کوئی بھی پھل
پر جب کاٹیں اس کو بھائی
ہوتی ہے پہلے سے دونی سوائی

(۹)

اے سکھی وہ چھم چھم آئے
کیا سکھی وہ دُولہن ہے ؟
نا سکھی ! وہ شور مچائے
کیا سکھی ! وہ بچّہ ہے ؟
نا سکھی ! وہ گُڑگُڑ بولے
کیا سکھی ! وہ حُقّہ ہے؟

مشقیں

۱- ہر پہیلی میں کچھ اشارے ایسے ہوتے ہیں جن کی مدد سے وہ بُوجھی جاتی ہے۔ مثلاً پہلی پہیلی میں دو اشارے ہیں۔ ایک کاغذ اور دھاگے کا ایک ہونا دُوسرے چھوڑ کر بھاگنا۔ یہ پہیلی آتش بازی کی ہے۔ اس میں "چھوڑ" کے لفظ میں یہ لطف ہے کہ آتش بازی ہمیشہ چھوڑی جاتی ہے۔

۲- دُوسری پہیلی کے پہلے مصرعے سے ظاہر ہو گیا کہ جس چیز کی یہ پہیلی ہے، وہ زمین پر نہیں۔ اس بات کو سامنے رکھ کر سوچیں اور دُوسرے مصرعے کی باتوں یا اشاروں پر دھیان دیں تو سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ پہیلی "اولے" کی ہے جسے بچّے شوق سے کھاتے ہیں۔ لیکن اِس کھانے کی چیز میں نہ چھلکا ہوتا ہے اور نہ گٹھلی۔

۳- تیسری پہیلی "چھتری" کی ہے۔ غور کر کے دیکھیے کہ پہیلی میں جو اشارے دیے گئے ہیں، وہ کتنے موزوں اور مناسب ہیں۔

۴- اب ذرا چوتھی پہیلی پر غور کیجیے۔ یہ پہیلی "چاند" کی ہے۔ بتائیے پہلے اور تیسرے مصرعوں میں جو باتیں کہی گئیں ان کا کیا مطلب ہے؟

۵- چھٹی پہیلی "آئینے" کی ہے۔ بتائیے پہیلی میں کون کون سے اشارے ہیں، جن کی مدد سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ پہیلی "آئینے" کی ہے۔

۶- اسی طرح پانچویں پہیلی "چکّی" کی۔ ساتویں "جلیبی" کی۔ آٹھویں "سر کے بالوں" کی اور آخری "بارش" کی ہے۔

۲۹- مرزا غالب کے لطیفے

ایک دفعہ مرزا غالب بادشاہ کے ساتھ آموں کے باغ میں ٹہل رہے تھے اور بار بار درختوں پر لگے ہوئے آموں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بادشاہ نے پوچھا:

"مرزا کیا دیکھ رہے ہو؟"

مرزا غالب بولے: "حضور یہ جو کہا جاتا ہے کہ دانے دانے پر کھانے والے کا نام لکھا ہوتا ہے سو میں دیکھ رہا ہوں کہ کسی آم پر میرا بھی نام لکھا ہے کہ نہیں۔" بادشاہ ہنس پڑے اور اچھے اچھے آموں کا ٹوکرا مرزا غالب کے گھر بھجوا دیا

آم مرزا غالب کو بہت پسند تھے۔ ایک دن ان کے ایک دوست حکیم رضی الدین ان کے پاس بیٹھے تھے کہ گلی میں سے ایک گدھا گزرا۔ گلی میں آموں کے چھلکے پڑے تھے۔ گدھے نے ان کو سونگھا اور چھوڑ کر چلا گیا۔ حکیم صاحب بولے:

"دیکھو مرزا! آم تو گدھے بھی نہیں کھاتے۔"

مرزا جھٹ بولے: "بیشک گدھے آم نہیں کھاتے۔"

ایک دفعہ رمضان کے مہینے میں دن کے وقت مرزا غالب اپنی کوٹھڑی میں بیٹھے شطرنج کھیل رہے تھے۔ شطرنج کو شیطانی کھیل کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں وقت بہت ضائع ہوتا ہے۔ اتنے میں ایک دوست مرزا سے ملنے کے لیے آئے۔ انہیں شطرنج کھیلتے دیکھ کر بولے:

"مرزا میں نے تو سُنا تھا کہ رمضان کے مہینے میں شیطان قید کر دیے جاتے ہیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ شیطان تمہارے لیے کھلے ہیں۔" مرزا بولے: "نہیں بھئی شیطان واقعی قید ہے اور اس کوٹھڑی میں یعنی میں ہی تو شیطان ہوں۔"

ایک بار ایک بزرگ سیّد سردار مرزا، مرزا غالب سے ملنے کے لیے آئے۔ شام کا وقت تھا۔ اندھیرا ہو گیا تھا۔ جانے لگے تو مرزا خود موم بتی لے کر اُٹھے تاکہ اُنھیں جوتا تلاش کرنے میں دقّت نہ ہو۔ سیّد صاحب نے کہا "مرزا صاحب آپ خواہ مخواہ تکلیف نہ کریں، میں خود اپنا جوتا تلاش کر لوں گا۔"

مرزا بولے: "نہیں حضرت میں تو موم بتی اس لیے لایا ہوں کہ کہیں آپ غلطی سے میرا جوتا نہ پہن کر چلے جائیں۔"

٣٠- آدمی نامہ

دُنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار، بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے چبا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
اور آدمی ہی تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی
چلّا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سُن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دُکانیں لگا لگا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا
کہتا ہے کوئی لو، کوئی کہتا ہے لا رے لا
کِس کِس طرح سے بیچیں ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر
ہیں آدمی ہی صاحبِ عزّت بھی اور حقیر
یاں آدمی مرید ہے اور آدمی ہی پیر
اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیرؔ
اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(نظیر اکبر آبادی)

مشقیں

١- جس نظم کے ایک ایک بند میں چھے چھے مصرعے ہوں اُسے مُسدّس کہتے ہیں۔ اس نظم کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہیں، اِسے کیا کہتے ہیں؟

٢- دُوسرے بند میں تین محاورے استعمال ہوئے ہیں، بتائیے وہ کون کون سے ہیں؟

٣- بے نوا - تیغ - جان کو وارنا - پگڑی اتارنا - چلّا کے پکارنا - اشراف - حقیر کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

٤- اس نظم میں کیسے کیسے آدمیوں کا ذِکر کیا گیا ہے؟

۳۱- مجاہداتِ اسلام

اسلام کی تعلیم عام کرنے اور اللہ کے نام کو زندہ رکھنے کے لیے مُسلمانوں نے ہمیشہ کافروں کے خلاف جہاد کیا اور اس شان سے لڑے کہ تاریخ میں مجاہدوں کا نام آج بھی زندہ ہے۔

جہاد میں جس طرح بڑوں نے حِصّہ لیا، اسی طرح بچّے بھی بڑے جوش اور شوق سے اس میں شریک ہوئے۔ یہی حال عورتوں کا تھا۔ مُسلمان عورتوں نے حق اور باطل کی لڑائیوں میں جو شاندار کارنامے دِکھائے اُن کے بیان سے تاریخ کے صفحات روشن ہیں۔ مجاہد مردوں کی طرح تاریخوں میں مجاہدات کا حال بھی سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔

حضرت صفیہؓ کا آنحضرتؐ سے دُوہرا رشتہ تھا۔ وُہ آپؐ کی پھوپھی بھی تھیں اور خالہ زاد بہن بھی۔ اُنھوں نے کفر اور اِسلام کی لڑائیوں میں، جنھیں ہم غزوات کہتے ہیں، کئی مرتبہ حِصّہ لیا۔ غزوات میں سے ایک کا نام غزوۂ اُحد ہے۔ اس غزوے میں مسلمانوں کو شدید نقصان اُٹھانا پڑا۔ اِس جنگ میں دوسرے مجاہدوں کے علاوہ حضرت صفیہؓ کے بھائی حضرت حمزہؓ بھی شہید ہوئے۔ مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچنے کی خبر سُن کر حضرت صفیہؓ مدینے سے نکلیں۔ وہ اس وقت سخت غُصّے میں تھیں اور مسلمانوں سے کہہ رہی تھیں کہ "لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چل دیے"۔ حضورؐ نے اُنھیں آتے دیکھا تو حضرت زبیرؓ کو بُلا کر اشارہ کیا کہ یہ حضرت حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت زبیرؓ نے حضرت صفیہؓ کو حضورؐ کا پیغام سُنایا تو وہ بولیں۔ "میں اپنے بھائی کا ماجرا سُن چُکی ہوں، لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں۔ حضورؐ سے عرض کرو کہ مجھے اجازت دیں، میں بھائی کی لاش دیکھ کر واپس چلی جاؤں گی"۔ چنانچہ حضورؐ نے اُنھیں لاش تک جانے کی اجازت دے دی۔ وہ میدان میں گئیں تو عزیز بھائی کے جسم کے ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھرے پڑے تھے۔ "وُہ اِنّا لِلّٰہ و انّا الیہ راجعون" کہہ کر خاموش ہوگئیں اور بھائی کی مغفرت کے لیے دُعا مانگی۔

غزوۂ خندق میں مجاہدین تو میدانِ جنگ میں کافروں کا مقابلہ کر رہے تھے اور عورتوں کو حفاظت کے خیال سے ایک قلعے میں رکھ دیا گیا تھا۔ کافروں نے دیکھا کہ قلعے میں صرف عورتیں ہیں تو اُنھوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ ایک کافر قلعے کے پھاٹک تک پہنچ گیا۔ وہ قلعے پر حملہ کرنے کا موقع تلاش کر رہا تھا۔ حضرت صفیہؓ نے دیکھ لیا۔ انھوں نے سوچا کہ اگر یہ کافر زندہ بچا تو

باقی لوگوں کو جا کر خبر کر دے گا۔ چنانچہ اُنھوں نے خیمے کی ایک چوب اُکھاڑ کر زور سے کافر یہودی کے سر پر ماری۔ اُس کا سر پھٹ گیا۔ اس کے بعد حضرت صفیہؓ نے اس کا سر کاٹ کر قلعے کے نیچے پھینک دیا۔ کٹا ہُوا سر دیکھ کر یہودیوں کو یقین ہوگیا کہ قلعے میں مُسلمانوں کی فوج موجود ہے۔ اُنھوں نے قلعے پر حملہ کرنے کی ہمّت نہ کی۔

جنگِ قادسیہ کا حال آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں۔ اِس جنگ میں حضرت خنساؓ بھی موجود تھیں اور ان کے چار بیٹے بھی۔ حضرت خنساؓ چاہتی تھیں کہ ان کے چاروں بیٹے جنگ میں شریک ہوں۔ چنانچہ جنگ شروع ہونے سے پہلے اُنھوں نے اپنے بیٹوں کے سامنے بڑی مؤثر تقریر کی۔ اُنھوں نے فرمایا "میرے پیارے بیٹو! تُم جانتے ہو کہ مُسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کرنے والوں کے لیے ایک عظیم ثواب ہے۔ تُم اس کو خُوب جان لو اور غور سے سمجھ لو کہ عالم جاودانی کے مقابلے میں دُنیائے فانی ہیچ ہے۔ جب تُم دیکھو کہ لڑائی جوش پر آگئی اس کے شعلے بھڑکنے لگے اور اس کی چنگاریاں میدانِ جنگ میں پھیلنے لگیں تو لڑائی میں گھس پڑو اور نڈر ہوکر تلوار چلاؤ اور خُدا سے فتح کے اُمیدوار رہو"۔

صبح ہُوئی تو چاروں بیٹوں نے ماں کی نصیحت پر عمل کیا وُہ جوشیلے اشعار پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں کود پڑے اور دلوں پر اپنی بہادری کے نقش بٹھا کر شہید ہوگئے۔ جب خنساؓ کو بیٹوں کی شہادت کی خبر ملی تو کہا "خُدا کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کی شہادت کا شرف بخشا۔ خدا کی ذات سے اُمید ہے کہ میں ان بچّوں سے اللہ تعالیٰ کے سایۂ رحمت میں ملوں گی"۔ خنساؓ میدانِ جنگ میں گئیں اور اپنے بیٹوں کی شہادت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ ان سب باتوں کی وجہ سے تاریخ میں ان کا شُمار مجاہدات میں ہوتا ہے۔ ایک مثال حضرت اُم عمارہؓ کی ہے۔ اُنھوں نے کئی لڑائیوں میں حِصّہ لیا اور بہادری کے جوہر دکھلائے۔ غزوۂ اُحد کا ذکر اس سے پہلے آ چُکا ہے۔ اِس جنگ میں شروع شروع میں مُسلمان فتح یاب رہے۔ جب تک مسلمان فتح یاب تھے اُم عمارہؓ مشک میں پانی بھر بھر کر لوگوں کو پلاتی رہیں لیکن بعد میں آنحضرتؐ کے پاس چلی آئیں اور کافروں کا مقابلہ کرنے لگیں۔ کافر جب حضورؐ کی طرف بڑھتے تو اُم عمارہؓ تیر اور تلوار سے اُنھیں روکتی تھیں۔ دُشمنوں میں سے ایک شخص کا نام ابن قیمہ تھا وہ حملے کی غرض سے آنحضرتؐ کے پاس پہنچ گیا۔ اُم عمّارہؓ نے بڑھ کر اُسے روکا۔ اُس موقع پر ان کے کندھے میں زخم آگیا۔

جواب میں اُنھوں نے بھی تلوار ماری لیکن ابن قیمہ نے دوہری زرہ پہن رکھی تھی اس لیے کارگر نہ ہوئی تاہم وہ بھاگ گیا۔ امّ عمارہؓ کے زخم کاری لگا تھا۔ وہ خون میں نہا گئی تھیں۔ رسول اللہؐ نے کھڑے ہوکر اپنے سامنے پٹّی بند ھوائی۔ اس موقع پر حضورؐ نے چند بہادر صحابہ کا نام لے کر فرمایا کہ واللہ آج امّ عمارہؓ کا کارنامہ ان کے کارناموں سے زیادہ اہم ہے۔ امّ عمارہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میرے لیے دُعا فرمائیے کہ جنت میں آپ کے ساتھ ہوں" حضورؐ نے دُعا فرمائی تو وہ بولیں کہ "اب مجھے دُنیا کی کسی مصیبت کی پروا نہیں"۔

اس معرکے میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ امّ عمارہؓ کا بیٹا عبد اللہ زخمی ہوکر بیٹھ گیا۔ انھوں نے خود اپنے بیٹے کی مرہم پٹّی کی اور زخم باندھ کر بولیں "جاؤ بیٹا! اب لڑو" اس موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا "اے امّ عمارہؓ جتنی طاقت تجھ میں ہے کسی میں کہاں ہوتی ہے"۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ امّ عمارہؓ جنگِ اُحد کے علاوہ کئی اور جنگوں میں بھی آنحضرتؐ کے ہم رکاب تھیں۔ آپؐ کی وفات کے بعد بھی ایک جنگ میں شریک ہُوئیں جس کا نام جنگِ یمامہ ہے۔ یہ جنگ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں ہوئی۔ ایک طرف مسلمان تھے اور دوسری طرف کافروں کی فوج جس کا سردار مسیلمہ تھا۔ مسلمانوں پر مسیلمہ کے ظلم بہت بڑھے تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کا خاتمہ کرنے کے لیے مشہور سپہ سالار حضرت خالدؓ بن ولید کو بھیجا۔ امّ عمارہؓ بھی اجازت لے کر فوج کے ساتھ گئیں۔ مسیلمہ نے نبوّت کا جُھوٹا دعویٰ کیا تھا اس لیے یہ جنگ اسے قتل کرنے کے لیے کی گئی۔

دونوں فوجوں کا بہت سخت مقابلہ ہُوا۔ مسیلمہ بڑی ہمت اور بہادری سے لڑا۔ لڑائی ہو رہی تھی کہ امّ عمارہؓ نے ایک جگہ مسیلمہ کو دیکھ لیا۔ وہ اپنی تلوار اور برچھی سے صفیں چیرتی اور زخم کھاتی مسیلمہ کے قریب پہنچیں۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے ان کے جسم پر نیزے اور تلوار کے گیارہ زخم آئے اور ہاتھ کلائی کے پاس سے جُدا ہوگیا لیکن ان کے استقلال میں فرق نہ آیا۔ وُہ مسیلمہ پر وار کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ اِتنے میں ایک ساتھ دو تلواریں مسیلمہ پر پڑیں۔ وُہ کٹ کر گھوڑے سے گر پڑا۔ امّ عمارہؓ نے دیکھا تو اپنے بیٹے عبد اللہ کو پاس کھڑا پایا۔ انھوں نے پُوچھا "تو نے اسے قتل کیا ہے؟" بیٹے نے جواب دیا "ایک تلوار میری پڑی اور دوسری کسی اور کی، معلوم نہیں کہ کس کے وار سے اس کی موت آئی"۔ امّ عمارہؓ بہت خُوش ہُوئیں اور اُسی وقت سجدۂ شکر ادا کیا۔

ایسے واقعات اور بھی ہیں جن سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ ان مجاہدات نے ان

معرکوں میں تیغ زنی کے جوہر بھی دِکھائے اور مسلمان مجاہدوں کی مختلف خدمات بھی انجام دیں۔ اُنھوں نے زخمیوں کی مرہم پٹّی کی، ان کے لیے حسبِ ضرورت دوائیں مہیّا کیں۔ اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر جنگ کے دوران میں انھیں پانی پلایا۔ ان کے لیے کھانا پکایا۔ لڑائی کے وقت ان کے حوصلے بلند رکھنے اور ان کی طبیعتوں میں جوش پیدا کرنے کے لیے ولولہ انگیز شعر پڑھے۔ اِنھیں خدمات کی بدولت ان کا نام مجاہدات کی فہرست میں لکھا گیا۔

مشقیں

۱۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دیجیے۔

(i) غازی کسے کہتے ہیں؟

(ii) شہید کسے کہتے ہیں؟

(iii) غزوہ کسے کہتے ہیں؟

(iv) حضرت خنسؓا نے اپنے بیٹوں کو کیا نصیحت کی؟

(v) اس سبق میں جن مجاہدات، غزوں اور جنگوں کا ذکر آیا ہے۔ ان کے نام لکھیے۔

۲۔ مندرجہ ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:۔

جوہر دکھانا۔ سنہری حروف میں لکھنا۔ کارگر ہونا۔

۳۔ ان کے واحد بتائیے: غزوات۔ مجاہدات۔ مجاہدین۔ اوراق۔

۴۔ "فتح یاب" اور "حق دار" کے الفاظ آپ کے سبق میں آئے ہیں، اسی قسم کے اور الفاظ بنائیے۔

۵۔ مندرجہ ذیل جملوں کو صحیح کر کے لکھیے:۔

(i) مَیں نے آج کراچی جانا ہے۔

(ii) کرکٹ ایک اچّھی کھیل ہے۔

(iii) سب لڑکیاں گھر چلی گئیں ہیں۔

(iv) ہمارا سکول شہر کے قریب واقعہ ہے۔

(v) ہم کو آج چھٹی ہے۔

۳۲- مولینا محمّد علی جوہر

انگریزوں کی حکومت کے زمانے میں برِّصغیر پر بڑے بڑے مظالم ہُوئے لیکن جُوں جُوں یہ مظالم بڑھتے گئے آزادی کی تحریک زور پکڑتی گئی۔ یہاں تک کہ انگریزوں کو اندازہ ہوگیا کہ وُہ آزادی کے جذبے کو طاقت کے زور سے نہیں دبا سکتے۔ اِسی خیال سے انگریزوں نے مُلک کے بڑے بڑے رہنماؤں کو دعوت دی کہ وُہ انگلستان آکر انگریز حکمرانوں سے آزادی کے بارے میں بات چیت کریں۔

نومبر کا مہینہ تھا۔ لندن موسم سرما کی کُہر میں لپٹا ہُوا تھا۔ انگلستان کی پارلیمنٹ میں وہاں کے بادشاہ جارج پنجم نے کانفرنس کا افتتاح کیا۔ دونوں طرف سے تقاریر کا گرما گرم سلسلہ شروع ہُوا۔ انگریز حکمرانوں نے اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔ برِّصغیر کے رہنماؤں نے بھی باری باری اپنی بات کہنی شروع کی۔ انھیں رہنماؤں میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو بیماری کی حالت میں ہزاروں کلومیٹر کا سفر طے کر کے یہاں آیا تھا۔ جب اس کی باری آئی تو اُس نے شُستہ انگریزی میں تقریر شروع کی۔ اُس کی تقریر سے ہال میں سنّاٹا چھا گیا۔ انگریزوں نے کِسی غیر مُلکی کو ایسی شُستہ زبان میں زور دار تقریر کرتے نہ سُنا تھا۔ بیماری کے باوجود اس کی آواز میں گرج تھی۔ وُہ جو کچُھ کہتا اس کی دلیلیں دیتا۔ اپنے زورِ بیان میں اس نے نہ وزیروں کی پروا کی نہ بادشاہ کا خوف دل میں لایا۔ اُس نے پارلیمنٹ کے ممبروں سے مخاطب ہوکر کہا۔

"مَیں تمھاری سرزمین پر صرف ایک مقصد لے کر آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مَیں یہاں سے آزادی کا پروانہ لے کر واپس جاؤں۔ میں غلام مُلک میں کبھی واپس نہ جاؤں گا، بلکہ اس آزاد مُلک میں موت کو اپنی غلامانہ زندگی پر ترجیح دوں گا۔ اگر آپ نے ہمیں آزادی نہ دی تو آپ کو مجھے اپنے مُلک میں قبر کے لیے جگہ دینا پڑے گی۔"

یہ الفاظ تھے اس مردِ مجاہد کے جسے ہم مولانا محمّد علی جوہر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ جوہر جس نے مُلک کی آزادی کے لیے دیوانہ وار کام کیا اور اپنی زندگی کا ایک طویل حصّہ آزادی کی خاطر جیل میں گزارا۔

جوہر کے یہ الفاظ محض الفاظ ہی نہ تھے اُس نے جو کچُھ کہا وہ کر کے دکھایا۔ انگریزوں نے



اُسے آزادی نہ دی اور وہ کانفرنس کے دوران میں انگلستان ہی میں اس دُنیا سے رخصت ہوا۔ اُس کی وصیّت کے مطابق اُسے بیت المقدس میں دفن کیا گیا۔ جب اس کی موت کی خبر یہاں پہنچی تو شہر شہر، گاؤں گاؤں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ مُسلمانوں کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جو سوگوار نہ ہو، کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشک بار نہ ہو، کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں اُس کی غائبانہ نمازِ جنازہ نہ ادا ہوئی ہو۔

مولانا مُحمّد علی جوہر ایک بلند پایہ انسان تھے۔ دوستوں کے لیے ان کے دل میں حد درجہ کی شفقت اور محبّت تھی لیکن دُشمنوں کے لیے ان کی نفرت حد سے بڑھی ہُوئی تھی۔ وہ بہت مخلص اور صاف گو انسان تھے۔ ان کے قول و فعل میں تضاد ہرگز نہ تھا۔ ان کی دوستی بھی اللہ کے لیے تھی اور ان کی دُشمنی بھی اللہ کے لیے۔ جس معاملے میں وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے وہ اس پر ڈٹ جاتے تھے اور بڑی سے بڑی مخالفت کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔

مولانا کو آزادی سے عشق تھا۔ انھیں غلامی سے نفرت تھی اور اسی وجہ سے وہ انگریزوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انھوں نے برِّصغیر پاک و ہند کی آزادی کے لیے بہت کام کیا۔ انھوں نے دو اخبار نکالے۔ ایک انگریزی میں جس کا نام "کامریڈ" تھا اور دوسرا اُردو میں جس

کا نام "ہمدرد" تھا۔ دونوں اخباروں کا مقصد آزادی کی تحریک کو تیز کرنا اور لوگوں کو آزادی حاصل کرنے کے لیے تیّار کرنا تھا۔ یہ دونوں اخبار اپنے زمانے میں اس قدر مقبول تھے کہ لوگ ان کی راہ دیکھا کرتے تھے۔ جب یہ اخبار انھیں ملتے تو وہ یُوں سمجھتے جیسے کوئی بڑی دولت مل گئی ہو۔

مولانا محمّد علی جوہر حصُولِ آزادی کی خاطر کئی مرتبہ جیل گئے۔ ان پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ ان کے اخبار کئی مرتبہ بند ہُوئے۔ ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے لیکن ان پر جس قدر سختی ہُوئی مقصد کی لگن میں اسی قدر اضافہ ہُوا۔ محمّد علی جوہر کی طرح ان کے بھائی مولانا شوکت علی بھی آزادی کے عاشق تھے۔ یہ دونوں بھائی تاریخ میں "علی برادران" کے نام سے مشہُور ہُوئے۔ کہتے ہیں عظیم مائیں ہی عظیم انسانوں کو جنم دیتی ہیں۔ علی برادران کی والدہ ماجدہ ایسی ہی عظیم خاتون تھیں۔ اُنھوں نے اپنے بیٹوں کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی اور ایک مرتبہ تو اُنھوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر تُم دونوں بھائی آزادی کے مقصد سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹے تو میں تمھیں اپنا دُودھ نہیں بخشوں گی۔ یہ اُنھیں کی تربیت کا اثر تھا کہ محمّد علی اور شوکت علی نے ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور آزادی کے مطالبے پر سختی سے قائم رہے۔

مولانا محمّد علی جوہر ایک پکّے اور سچّے مُسلمان تھے۔ انھیں اِسلام سے والہانہ محبّت تھی۔ وُہ دنیا میں اسلام کی سربلندی کے خواہاں تھے اور اِس مقصد کے لیے اُنھوں نے بہت کام کیا۔ وُہ دنیائے اِسلام میں اتّحاد چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ تمام مُسلمان خواہ وہ کسی مُلک کے رہنے والے ہوں، ایک جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ ان کا مرکز ایک ہو۔ ان کا خلیفہ ایک ہو۔ اِسی مقصد کے لیے انھوں نے تحریک خلافت بھی چلائی۔ مُسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی تو وہ بے چین ہو جاتے۔ ایک مرتبہ رات کے پچھلے پہر مولانا کے کمرے سے گڑگڑانے اور رونے کی آواز آئی دیکھا تو مولانا سجدے میں پڑے رو رہے تھے اور خداوند تعالیٰ سے فریاد کر رہے تھے۔ یہ فریاد اپنے لیے نہیں، اپنی اولاد کے لیے نہیں بلکہ لیبیا کے مُسلمانوں کے لیے تھی جو اُن دِنوں اٹلی کے مظالم سے بے حد پریشان اور مجبور تھے۔ ایک دفعہ انھیں خبر ملی کہ مہاراجا الور اپنی ریاست کے مُسلمانوں پر سختی کر رہا ہے۔ ان دنوں وہ بیمار تھے اور مہاراجا سے ان کے دوستانہ تعلّقات تھے لیکن جب اُنھوں نے اس کے مظالم کی خبر سُنی تو اپنی

بیماری کو بھول گئے۔ مہاراجا سے اپنے دوستانہ تعلقات کی بھی پروا نہ کی۔ تمام خطرات مول لے کر مُسلمانوں کے دُکھ درد میں شریک ہوگئے۔

جوہر ایک اعلیٰ درجے کے مقرّر اور خطیب تھے۔ ان کی تقریر میں بلا کی روانی ہوتی تھی۔ اُردُو اور انگریزی دونوں زبانوں پر انھیں عبور حاصل تھا۔ دونوں زبانوں میں جو کچھ بھی لکھے اس میں زور بھی ہوتا اور تاثیر بھی۔ ان کی تقریر اور تحریر دونوں سے ان کی جرأتِ ایمانی ظاہر ہوتی تھی۔ اُنھوں نے ایک مرتبہ انگلستان میں کھڑے ہوکر یہ کہا تھا کہ

"مجھے یہ شکایت نہیں کہ مسٹر ریڈنگ نے مجھے جیل کیوں بھیجا۔ میں تو صرف یہ انسانی حق چاہتا ہوں کہ اگر مسٹر ریڈنگ غلطی کریں تو میں بھی اُنھیں جیل بھیج سکوں"۔

مولانا مُحمّد علی جوہر بڑے صابر اِنسان تھے۔ ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے۔ ذاتی اور قومی دُکھوں نے ہمیشہ انھیں گھیرے رکھا، لیکن اُنھوں نے ہمیشہ صبر اور شکر سے کام لیا اور حرفِ شکایت منہ سے نہ نکالا۔ جب کبھی دُکھ درد حد سے بڑھ جاتا تو شعر کہہ کر دل کو تسلّی دے لیتے۔ ایک مرتبہ مولانا جیل میں تھے کہ اِن کی پیاری بیٹی آمنہ کسی شدید مرض میں مبتلا ہوگئی اور بچنے کی کوئی اُمید باقی نہ رہی۔ جب یہ خبر مولانا کو ملی تو چند شعر کہہ کر دل کو تسلی دے لی ؂

میں ہوں مجبور پر اللہ تو مجبور نہیں
تجھ سے مَیں دُور سہی، وہ تو مگر دُور نہیں
تیری قدرت سے خدایا تیری رحمت نہیں کم
آمنہ بھی جو شفا پائے تو کچھ دُور نہیں
تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اس کو
نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

مولانا مُحمّد علی ایک اچھے شاعر بھی تھے اور جوہر تخلص کرتے تھے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ حالاتِ حاضرہ پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ قدرت نے اُنھیں اعلیٰ سیاسی بصیرت عطا کی تھی اور یہی وہ خوبی تھی جس نے اُنھیں اپنے وقت کا ایک عظیم سیاسی رہنما بنا دیا تھا۔

مشقیں

۱- جواب دیجیے!

(i) مولانا محمّد علی نے اپنی تقریر میں انگریزوں سے کیا بات کہی تھی؟

(ii) سبق میں مولانا محمّد علی کو 'مردِ مجاہد' کیوں کہا گیا ہے؟

(iii) مولانا محمّد علی کا تخلّص کیا تھا؟

(iv) جب مولانا محمّد علی کے انتقال کی خبر وطن میں پہنچی تو لوگوں پر اس خبر کا کیا اثر ہُوا؟

(v) "علی برادران" سے کون سے دو بھائی مُراد ہیں؟

(vi) مولانا محمّد علی اور مولانا شوکت علی پر اُن کی ماں کی تربیت کا کیا اثر ہُوا؟

۲- ذیل میں ہم چند الفاظ لکھ رہے ہیں، ان الفاظ کے بعد کچھ جملے ہیں، جن میں ایک ایک لفظ کی جگہ خالی ہے۔ جُملوں کی خالی جگہوں کو دیے ہُوئے لفظوں میں سے مناسب لفظ لگاکر پورا کیجیے۔

بات چیت۔ نقطۂ نظر۔ دیوانہ وار۔ اشک بار۔ تضاد۔ حوصلہ افزائی۔

(i) مَیں نے اپنا ـــــ ماسٹر صاحب کے سامنے پیش کیا۔

(ii) ہمارے قول و فعل میں ـــــ نہیں ہونا چاہیے۔

(iii) جب کوئی اچھّا کام کرے تو اُس کی ـــــ کرنی چاہیے۔

(iv) شیر نے اُس کا پیچھا کیا تو وہ ـــــ بھاگا۔

(v) اُن دونوں نے اپنا معاملہ ـــــ کے ذریعے طے کر لیا۔

(vi) جب وہ ـــــ میرے پاس آیا تو میں نے اُسے بہت تسلّی دی۔

۳- واحد کے جمع اور جمع کے واحد لکھیے:

مظالم۔ رہنماؤں۔ خاتون۔ مصیبت۔ تقاریر۔ شکایت۔

۴- ان الفاظ کے معنی اپنی کاپی میں لکھیے:

تحریک۔ جذبہ۔ کھُر۔ شکست۔ سوگوار۔ قول و فعل۔ تضاد

۵- جُملوں میں استعمال کیجیے:

دبا سکنا۔ زور پکڑنا۔ سناٹا چھاجانا۔ ترجیح دینا۔ گھیرے رکھنا۔ حد سے بڑھنا

۳۳- اُٹھو اہلِ وطن کے دوست بنو

بیٹھے بے فکر کیا ہو ہم وطنو
اُٹھو اہلِ وطن کے دوست بنو

مرد ہو تو کسی کے کام آؤ
ورنہ کھاؤ، پیو، چلے جاؤ

جب کوئی زندگی کا لُطف اُٹھاؤ
دِل کو دُکھ بھائیوں کے یاد دلاؤ

کھانا کھاؤ تو جی میں تُم شرماؤ
ٹھنڈا پانی پیو تو اشک بہاؤ

کتنے بھائی تُمھارے ہیں نادار
زندگی سے ہے جن کا دل بیزار

پہنو تو پہلے بھائیوں کو پہناؤ
کہ ہے اُترن تُمھاری جن کا بناؤ

ایک ڈالی کے سب ہیں برگ و ثمر
ہے کوئی ان میں خشک اور کوئی تر

سب کو ہے ایک اصل سے پیوند
کوئی آزردہ ہے، کوئی خُورسند

جاگنے والو! غافلوں کو جگاؤ
تیرنے والو! ڈوبتوں کو تراؤ

تُم اگر ہاتھ پاؤں رکھتے ہو
لنگڑے لُولوں کو کچھ سہارا دو

تندرُستی کا شکر کیا ہے بتاؤ
رنج بیمار بھائیوں کا بٹاؤ

تُم اگر چاہتے ہو مُلک کی خیر
نہ کِسی ہم وطن کو سمجھو غیر

سب کو میٹھی نگاہ سے دیکھو
سمجھو آنکھوں کی پُتلیاں سب کو

مُلک ہیں اتّفاق سے آزاد
شہر ہیں اتّفاق سے آباد

(الطاف حسین حالیؔ)

مشقیں

۱- اس شعر کا مطلب کیا ہے؟

ایک ڈالی کے سب ہیں برگ و ثمر
ہے کوئی اِن میں خشک اور کوئی تر

۲- ذیل کے مصرعوں میں لفظوں کو آگے پیچھے کر کے انھیں نثر کی صورت میں لکھیے:

(i) کتنے بھائی تمہارے ہیں نادار

(ii) ایک ڈالی کے سب ہیں برگ و ثمر

(iii) تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر

(iv) ملک ہیں اتّفاق سے آباد

۳- سوال نمبر ۲ میں آپ نے جو جملے بنائے ہیں، ان میں سے صفت اور موصوف چن کر اپنی کاپی میں لکھیے۔

۴- ڈالی - اتّفاق - لطف - پوشاک - خیر کے معنی لکھیے

۵- محاوراتِ ذیل کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:-

ہاتھ بٹانا - خیر چاہنا - اشک بہانا - لطف اٹھانا - کام آنا -

۶- 'ہم وطن' کی طرح اور مرکّبات بنائیے جن میں پہلا لفظ ہم ہو - مثلاً ہم عمر . . . .

۳۴۔ مامون کا انصاف

خلیفہ ہارون الرّشید کا شُمار دنیا کے عظیم ترین بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ اس کے دو بیٹے امین اور مامون بھی تاریخ میں اُسی شہرت کے مالک ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے عظیم الرتبہ باپ کو عطا کی تھی۔ ہارون نے امین اور مامون کی تربیت بڑے اعلیٰ پیمانے پر کی تھی۔ اسی تربیت کا اثر تھا کہ اُنھوں نے اپنے اعلیٰ اخلاق اور شاندار عمل کی بدولت دُنیا میں ناموری پائی۔

خلیفہ ہارون الرّشید کے اِنتقال کے بعد امین اور مامون میں تخت و تاج کے لیے کشمکش شروع ہُوئی۔ اِس میں کُچھ درباری امین کے حامی تھے اور کچھ مامون کے۔ ہارون کا وزیر فضل اس کش مکش میں امین کے ساتھ تھا۔ شروع شروع میں کامیابی نے امین کے قدم چُومے لیکن بالآخر مامون کے اقبال کا ستارہ چمکا تو فضل مامون کے خوف سے کہیں جا چُھپا۔ مامون چاہتا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو فضل کو تلاش کروائے۔ آخر یہ کام اس نے اپنے قدیمی خدمت گار شاہک کے سُپرد کیا۔ آقا کا حُکم پاکر شاہک فضل کی کھوج میں لگ گیا۔ اس نے اور بہت سی تدبیروں کے علاوہ ایک تدبیر یہ کی کہ اُسے پکڑ کر لانے والے کے لیے ایک ہزار سونے کے سکّوں کا انعام مقرّر کیا لیکن فضل کہیں ایسی جگہ چُھپا تھا کہ کوئی اس کا کھوج نہ لگا سکا۔

اس بات کو چار سال گزر گئے۔ فضل جا بجا چھپتا پھرتا رہا۔ ایک جگہ چُھپے ہُوئے بہت دن گزر گئے تھے۔ وہ گوشہ نشینی اور تنہائی کی اس زندگی سے اکتا کر باہر نکل آیا۔ اس نے ساربانوں کا بھیس بدلا اور ایک جھول کندھے پر ڈال کر ایک طرف کو چل پڑا کہ اب کسی نئی جگہ جاکر چُھپ جائے۔ وہ سڑک پر سے گُزر رہا تھا کہ مامون کی فوج کے دو سپاہی ادھر آنکلے۔ ان میں سے ایک پیدل تھا اور دوسرا سوار۔ پیدل سپاہی نے فضل کو پہچان لیا اور سوار سے کہا کہ وہ دیکھو فضل جا رہا ہے۔ سوار یہ سُن کر بہت خوش ہُوا اور فضل کا پیچھا کرنا شروع کردیا۔ وہ آہستہ آہستہ فضل کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت فضل نے اپنے کندھے پر پڑی ہُوئی جھول اٹھا کر دوسرے کندھے پر ڈال لی۔ جھول کے ہلنے سے گھوڑا بھڑک گیا اور سوار کو زمین پر گرا کر بھاگ گیا۔ سوار کے سنبھلتے سنبھلتے فضل تیزی سے

ایک طرف کو نکل گیا۔ سامنے ہی ایک مکان کا دروازہ کھلا نظر آیا۔ جھانک کر دیکھا تو ایک بڑھیا بیٹھی تھی۔ فضل نے اس سے کہا "اماں! میں بڑی مصیبت میں ہوں مجھے چند روز کے لیے اپنے گھر میں چھپا لو تو تمھارا بڑا احسان ہوگا بڑھیا کو فضل پر رحم آگیا۔ اس نے فضل کو اندر بلا لیا اور کہا "اوپر والی کوٹھڑی خالی ہے۔ جاکر وہاں چھپ جاؤ"۔ فضل جھٹ کوٹھڑی میں جا گھسا۔

فضل ابھی مشکل سے کوٹھڑی میں گھسا ہی تھا کہ وہی سوار جسے اس کا گھوڑا گرا کر چلا گیا تھا بڑھیا کے مکان میں داخل ہوا اور بڑھیا سے بولا "کیا بتاؤں آج تو سونے کی چڑیا ہاتھ سے نکل گئی۔ میں نے فضل کو پکڑ ہی لیا تھا لیکن قسمت نے ساتھ نہ دیا۔ میرا گھوڑا بدکا اور مجھے گرا کر بھاگ گیا اور میرے سنبھلتے سنبھلتے فضل کہیں بھاگ گیا۔ چاروں طرف دیکھا کہیں نظر نہیں آیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ زمین کھا گئی یا آسمان"!

فضل نے سوار کی بات سُنی تو بہت گھبرایا۔ اس ڈر سے کہ سوار کو اس کی موجودگی کا علم نہ ہو جائے، اپنی سانس روکنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں چھینک آگئی۔ سوار نے چھینک کی آواز سُنی تو بُڑھیا سے پُوچھا کہ اندر کون ہے، بڑھیا نے جواب دیا "میرا بھتیجا ہے، برسوں کے بعد واپس آیا ہے، راستے میں ڈاکو مِل گئے، اُنھوں نے بیچارے کا سارا سامان چھین لیا"۔ سوار نے کہا "لو میرے کپڑے لے جاکر اُسے دو اور کہو کہ اِنھیں پہن کر باہر آجائے"۔ بڑھیا نے کہا "میں بلاتی ہوں، لیکن غریب نہ جانے کب سے بُھوکا ہے تُم اِتنی تکلیف کرو کہ میری یہ انگوٹھی کسی کے پاس گروی رکھ کر اس کے کھانے کے لیے بازار سے کُچھ خرید لاؤ" سوار نے انگوٹھی لی اور بازار کی طرف چلا۔ اِدھر بڑھیا تیزی سے فضل کے پاس پہنچی اور بولی "کیا تُم وہی فضل ہو جس کی گرفتاری کے لیے ایک ہزار دینار کا انعام مقرّر ہُوا ہے"؟ فضل نے کہا "ہاں! میں وہی بدنصیب ہوں" فضل کی بات سُن کر بڑھیا نے اس سے کہا "دیکھو! تم نے ہماری باتیں سُن لیں۔ میں نے سوداگر کو دھوکے سے بازار بھیجا ہے، اگر خیریت چاہتے ہو تو اس کے آنے سے پہلے کہیں بھاگ جاؤ"۔

فضل نے بڑھیا کی بات سُنی تو کوٹھڑی سے نکل کر باہر آگیا۔ اب حیران تھا کہ کدھر جائے اور کہاں چھپے۔ آخر ایک طرف کو چل پڑا۔ چلتے چلتے ایک عالی شان مکان کے پاس پہنچا۔ تیزی سے چلتے چلتے تھک گیا تھا اِس لیے سوچا کہ تھوڑی دیر اس مکان کے سامنے

چونکہ بہت تھکا ہوا تھا

میں آرام کر لوں۔ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سُنائی دی۔ فضل ڈرا کہ معلوم نہیں یہ سوار کون ہیں، کہیں مجھے پہچان کر گرفتار نہ کر لیں۔ یہ سوچ کر جلدی سے مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہُوا۔ اُدھر سوار اسی مکان کے دروازے کے سامنے آکر رُک گئے۔ فضل نے سمجھ لیا کہ اب جان کی خیر نہیں۔ بے چارہ سانس روک کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں ایک آدمی ڈیوڑھی کے اندر داخل ہُوا۔ فضل پہچان گیا "ارے یہ تو شاہک ہے"۔ شاہک نے بھی پہلی نظر میں فضل کو پہچان لیا۔ اُس نے کہا "تم کہاں سے آٹپکے؟" فضل نے جواب دیا "تقدیر کا تیر ہوں، جہاں لگا آ لگا"۔

شاہک نے فضل کا ہاتھ پکڑا اور اسے اندر لے گیا اور اندر لے جا کر اُسے ایک خاص کمرے میں بٹھایا۔ پھر اس کے لیے کھانا منگوایا اور کہا "بسم اللہ کیجیے"۔ فضل نے پوچھا "یہ زندوں کا کھانا ہے یا مُردوں کا؟"

جواب ملا "زندوں کا"۔

فضل نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور آرام کیا۔ شاہک نے اسے تین دن مہمان رکھا اور تین دن کے بعد اُس سے کہا "فضل! اب تُم اپنی جان بچا کر بھاگ جاؤ مَیں پہلے کی طرح تُمہیں اب بھی تلاش کرتا رہوں گا"۔

فضل شاہک کو دُعائیں دیتا ہُوا اُس کے گھر سے نکل آیا لیکن سوال تھا کہ اب آخر کہاں جائے؟ یکایک اُسے یاد آیا کہ یہاں سے قریب ہی ایک سوداگر کا مکان ہے جس پر فضل نے وزارت کے زمانے میں بہت سے احسان کیے تھے۔ اِس خیال کے دل میں آتے ہی جان میں جان آئی اور اُس سوداگر کا مکان تلاش کرنے لگا۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد مکان مل گیا۔ فضل نے دروازے پر جا کر دستک دی۔ دستک سُن کر سوداگر باہر آیا۔ باہر فضل کو کھڑا دیکھا تو بہت خُوشی ظاہر کی۔ عزّت کے ساتھ اسے گھر لے گیا۔ اُسے آرام سے بٹھایا اور کھانے پینے سے تواضع کی۔

پھر فضل سے کہا کہ آپ آرام کیجیے مَیں ایک ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر میں واپس آجاؤں گا۔

یہ کہہ کر سوداگر باہر نکل گیا اور سیدھا مامون کی خدمت میں پہنچا اور اُسے اِس بات کی اطّلاع دی کہ فضل اِس کے گھر بیٹھا ہے۔ بادشاہ نے شاہک سے کہا کہ جاؤ اور فضل کو سوداگر کے گھر سے لے آؤ۔ شاہک نے حُکم کی تعمیل کی اور سوداگر کے گھر پہنچ کر

فضل کو قیدی بنایا۔ تھوڑی دیر میں اسے بادشاہ کے سامنے لا کر پیش کر دیا۔ فضل نے تخت کی طرف نظر اُٹھائی تو خوف سے کانپ گیا اور دل میں سوچا کہ اب میرا آخری وقت آپہنچا۔ موت کا خیال دل میں لیے آگے بڑھا اور بادشاہ کے سامنے جاکر کانپتی آواز میں اسے سلام کیا۔

مامون نے فضل کے سلام کا جواب دیا اور بارگاہِ الٰہی میں سجدۂ شکر بجا لایا۔ سجدہ کرکے مامون فضل سے مخاطب ہُوا اور کہنے لگا کہ فضل جس دِن سے تُم رُوپوش ہوئے اُس دِن سے آج تک تُم پر جو کچھ گزری اُس کی رُوداد ہمیں سناؤ۔

فضل نے اپنی سرگذشت کہنی شروع کی۔ چار سال سے زیادہ کی مُدّت میں جہاں جہاں گیا اور جو جو تکلیفیں اُٹھائیں ان کا سارا حال بادشاہ کو سنا دیا۔ جب اپنی سرگزشت کے آخری حصّے پر پہنچا تو پہلے بڑھیا کے گھر کی کیفیّت بتائی کہ کس طرح اس نے بادشاہ کے سپاہی کو بہانے سے بازار بھیجا اور فضل کو اپنے گھر سے نکل جانے کا موقع دیا۔ اس کے بعد اپنی اور شاہک کی ملاقات کا حال سُنایا اور بتایا کہ کس طرح شاہک اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا اور تین دن تک اُسے مہمان رکھ کر گھر سے رُخصت کیا۔ سب سے آخر میں سوداگر کے گھر پہنچنے کی تفصیل بیان کی اور اس نے سوداگر پر جو احسان کیے تھے ان کا بھی ذکر کیا۔

مامون فضل کی سرگذشت سُن چُکا تو اس نے خزانچی کو حکم دیا کہ جِس بڑھیا نے فضل کو پناہ دی تھی ایک ہزار دینار اس کے پاس بھجوادو اور اس سے کہو کہ جو انگوٹھی اُس نے گروی رکھوائی ہے اُسے چُھڑا لے۔ اس کے بعد مامون نے شاہک کی طرف دیکھا۔ شاہک ڈر رہا تھا کہ بادشاہ اُسے اس بات کی سزا دے گا کہ اس نے فضل کو آزاد کیوں کر دیا، لیکن اس کے برخلاف بادشاہ نے کچھ اور کہا۔ وہ شاہک سے مخاطب ہو کر بولا "تم نے جو کچھ کیا اگر وُہ نہ کرتے تو میری نظر سے گر جاتے۔" بڑھیا اور شاہک کے بعد سوداگر کی باری آئی۔ اس کے متعلق مامون نے حکم دیا "اسے فوراً شہر سے نکال دیا جائے۔ جو لوگ بدعہدی اور احسان فراموشی کرتے ہیں ان کا ہمارے مُلک میں کچھ کام نہیں۔"

یہ تمام کارروائی فضل کی موجودگی میں ہوئی۔ جب تک بادشاہ بڑھیا، شاہک اور سوداگر کے متعلّق احکام سُناتا رہا فضل دم بخود کھڑا رہا۔ یہ کارروائی ختم ہُوئی تو مامون فضل سے مخاطب ہُوا اور کہا "جب مَیں نے تُمھیں دیکھا تو سجدۂ شکر ادا کیا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا اللہ! تیرا کوئی بندہ مجھ سے زیادہ گناہ گار نہ ہوگا اور میرا کوئی ملازم فضل سے زیادہ خطاوار

نہیں۔ میں فضل کو معاف کرتا ہوں، تو فضل کے طفیل مجھے معاف کر دے۔"

مشقیں

۱- جواب دیجیے!

(i) سوار نے کس طرح پہچانا کہ بڑھیا کے گھر میں کوئی چھپا ہوا ہے؟

(ii) بڑھیا نے سوار کو کس بہانے گھر سے نکالا؟

(iii) فضل نے شاہک سے پوچھا کہ "یہ زندوں کا کھانا ہے یا مُردوں کا" تو اس نے کیا جواب دیا؟

(iv) مامون نے بڑھیا کو انعام کیوں دیا اور سوداگر کو سزا کیوں دی؟

۲- خالی جگہوں پر موزوں صفات لگا کر جملے مکمل کیجیے:-

(i) ہارون الرّشید کا شمار دنیا کے ــــــ بادشاہوں میں ہوتا ہے۔

(ii) چلتے چلتے فضل ایک ــــــ مکان کے پاس پہنچا۔

(iii) سوداگر نے کہا "میں ایک ــــــ کام سے باہر جا رہا ہوں۔"

۳- نیچے لکھی ہوئی باتوں کو اپنی بول چال کی زبان میں بیان کیجیے:

(i) شروع شروع میں کامیابی نے امین کے قدم چومے۔

(ii) بالآخر مامون کے اقبال کا ستارہ چمکا۔

(iii) میں تقدیر کا تیر ہوں جہاں اگا آگرا۔

۴- مندرجہ ذیل جملوں کو ملا کر ایک جملہ بنائیے اور جہاں ضروری ہو اسم کی جگہ ضمیر لکھیے:-

(i) فضل نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ فضل نے آرام کیا۔

(ii) چور نے ٹرنک اٹھایا۔ چور نے کپڑے اُٹھائے۔ چور چلا گیا۔

(iii) ماسٹر نے حمید کو مارا۔ ماسٹر نے مجید کو مارا۔ ماسٹر نے رشید کو مارا۔

(iv) اکبر آیا۔ رشید آیا۔ اصغر آیا۔ حمید کمرے سے نکل گیا۔

(v) آج صبح ہوا چلی۔ آج بادل آئے۔ آج خوب بارش ہوئی۔

۳۵۔ ایثار اللہ کو پسند ہے

ایثار کے معنی ہیں کسی دوسرے کے لیے قربانی دینا۔ قربانی کی بہت سی صورتیں ہیں ۔ ہم دوسروں کی مدد کرنے یا ان کی تکلیف دُور کرنے میں جو وقت صرف کرتے ہیں، وہ وقت کی قربانی ہے۔ کسی کو آرام پہنچانے کے لیے جو تکلیف اُٹھاتے ہیں وہ جسم کی قربانی ہے اور کسی کی ضرورت رفع کرنے کے لیے جو روپیہ پیسہ خرچ کرتے ہیں وہ مال کی قربانی ہے۔ قربانی خواہ کسی طرح کی ہو، اِس میں ہمیں دوسروں کی خاطر کسی نہ کسی طرح کی تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے۔ اِسی چیز کا نام ہمدردی ہے۔ ہم کسی شخص کی کوئی تکلیف دیکھتے ہیں تو ہمارے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی تکلیف کو دُور کریں۔ دل میں کسی کی تکلیف دُور کرنے کا خیال پیدا ہونا ہی ہمدردی ہے۔ اِسی ہمدردی کی وجہ سے آدمی اپنا وقت صرف کر کے، اپنے آپ کو تکلیف پہنچا کے اور اپنا پیسہ خرچ کر کے دوسروں کے کام آتا ہے، ان سب باتوں کا شمار ایثار یا قربانی میں ہوتا ہے۔

ایثار اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ قرآن حکیم میں ایثار کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے اور ان لوگوں کو اچھا کہا گیا ہے جو دوسروں کو "ترجیح دیتے ہیں اپنی جانوں پر اگرچہ ان پر فاقہ ہو"۔

ایک مرتبہ ایک صحابیؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضورؐ سے اپنی بھوک اور پریشانی کا حال کہا۔ حضورؐ نے اپنے گھر میں آدمی بھیجا لیکن وہاں کچھ نہ ملا۔ حضورؐ کی خدمت میں جو لوگ حاضر تھے آپؐ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا "کوئی شخص ہے جو اِن کی ایک رات کی مہمانی قبول کرے"۔ ایک صحابیؓ نے جو انصار میں سے تھے عرض کیا "یا رسول اللہؐ میں ان کی مہمانی کروں گا"۔

یہ کہہ کر وہ مہمان کو اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ یہ حضورؐ کے مہمان ہیں۔ ان کی جتنی خاطر ہو سکے کرنا۔ کوئی چیز چھپا کر نہ رکھنا۔ بیوی نے کہا گھر میں تو کچھ بھی نہیں ہے، بس بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا رکھا ہے۔ صحابیؓ نے کہا "کوئی ہرج نہیں بچوں کو بہلا کر سلا دو۔ جب وُہ سو جائیں تو کھانا لے آنا۔ ہم کھانا لے کر مہمان کے ساتھ بیٹھ جائیں گے۔ جب ہم کھانا کھانے لگیں تو تم چراغ درست کرنے کے بہانے سے اُٹھنا اور اُسے گُل کر دینا"۔ چنانچہ جب دسترخوان بچھ گیا تو بیوی نے اُٹھ کر چراغ بجھا دیا۔ مہمان

نے اسی اندھیرے میں کھانا کھایا۔ مہمان نے اپنا پیٹ بھر لیا اور یہ دونوں میاں بیوی رات بھر فاقے سے رہے۔ اس ایثار کو اللہ تعالیٰ نے بہت پسند فرمایا اور اسی موقع پر وہ آیت نازل فرمائی جس میں ایثار کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔

ایثار کی یہ مثال ایسی ہے جس میں اللہ کے نیک بندے نے مہمان کا پیٹ بھرنے کے لیے خود کو بھوکا رکھا۔ بھوک بڑی ظالم چیز ہے۔ اپنی بھوک مٹانے کے لیے آدمی دوسروں کے منہ سے نوالہ چھین لیتا ہے اور اپنی بھوک مٹانے کے لیے دوسروں کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتا ہے۔ بلکہ کبھی تو یوں بھی ہوتا ہے کہ اسی بھوک کی خاطر آدمی دوسروں کی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اس لیے غور کرنے کی بات ہے کہ خود کو بھوکا رکھ کر دوسروں کا پیٹ بھرنا کتنا بڑا ایثار ہے۔ لیکن ہماری تاریخ میں ایثار کی ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جہاں انسان نے اپنی جان دے کر دوسروں کی جان بچانے کی کوشش کی۔

ممکن ہے تمھیں جنگِ یرموک کا وہ واقعہ یاد ہو جس میں ایک دم توڑتے ہوئے انسان نے دوسرے کی پیاس کو اپنی پیاس پر ترجیح دی۔ یہ واقعہ جن صاحب کے ساتھ پیش آیا انھیں کی زبان سے سنیے:

وہ بیان کرتے ہیں کہ "میں یرموک کی لڑائی میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا اور ایک مشکیزہ پانی کا اپنے ساتھ لیا کہ وہ پیاسے ہوں تو پانی پلاؤں۔ اتفاق سے وہ ایک جگہ اس حالت میں پڑے ہوئے ملے کہ دم توڑ رہے تھے۔ میں نے پوچھا پانی کا گھونٹ دوں؟ انھوں نے اشارے سے ہاں کی۔ اتنے میں دوسرے صاحب نے جو قریب ہی پڑے تھے اور وہ بھی مرنے کے قریب تھے آہ کی۔ میرے چچا زاد بھائی نے آواز سنی تو مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ میں ان کے پاس پانی لے کر گیا۔ وہ ہشامؓ تھے۔ اُن کے پاس پہنچا ہی تھا کہ ان کے قریب ایک تیسرے صاحب اسی حال میں پڑے دم توڑ رہے تھے۔ انھوں نے آہ کی۔ ہشامؓ نے مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ میں اُن کے پاس پانی لے کر پہنچا تو ان کا دم نکل چکا تھا۔ ہشامؓ کے پاس واپس آیا تو وہ بھی جاں بحق ہو چکے تھے۔ ان کے پاس سے اپنے بھائی کے پاس لوٹا تو اتنے میں وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔"

ایثار کے اس واقعے کو پڑھ کر دل پر کتنا اثر ہوتا ہے۔ آدمی کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں اور وہ سوچتا ہے کہ یہ لوگ کتنے نیک تھے کہ اپنی جان دے کر بھی دوسروں کی

جان بچانا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ خدا نے انسان کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وُہ دُوسروں کے کام آئے۔

جو لوگ اِسلام کی دی ہُوئی اس تعلیم پر عمل کرتے ہیں وہ ہمیشہ دوسروں کی خدمت کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنا روپیہ پیسہ، اپنا مال اسباب دوسروں پر خرچ کرتے ہیں۔ دُوسروں کی ضرورت پُوری کرنے اور دوسروں کی تکلیف دُور کرنے کے لیے خود تکلیف اٹھاتے ہیں۔ دُوسروں کی خدمت میں وقت جیسی بیش بہا چیز کو قربان کرتے ہیں۔ اِسلام نے ایثار اور قربانی کی تعلیم دیتے ہُوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ جو مسلمان اللہ کے بندوں کے لیے ایثار کرتا ہے وہ اصل میں اللہ کے لیے ایثار کرتا ہے۔ اس طرح ایثار کر کے وہ بندوں کی خُوشنودی بھی حاصل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بھی۔

اللہ تعالیٰ کی خُوشنودی حاصل کرنے کا ایک واقعہ مُسلمانوں کے دُوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ اور اُن کی محترم بیوی حضرت ام کلثومؓ کا تاریخ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے زمانے میں رات کے وقت گشت کے لیے نکلا کرتے تھے۔ اس کا ایک مقصد تو شہر کی حفاظت تھا اور دُوسرا یہ کہ اس طرح لوگوں کی کوئی ضرورت پُوری کرنے یا مُشکل دُور کرنے کا موقع ملے گا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ آپ ایک میدان میں سے گزر رہے تھے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ میدان میں ایک خیمہ لگا ہُوا ہے جو اِس سے پہلے اُنھوں نے یہاں نہیں دیکھا تھا۔ خیمے کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک صاحب وہاں بیٹھے ہیں اور خیمے کے اندر سے کراہنے کی آواز آرہی ہے۔ حضرت عمرؓ سلام کر کے ان صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور پُوچھا کہ آپ کون ہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ایک مسافر ہُوں، جنگل کا رہنے والا ہوں اور امیر المومنین کے سامنے ایک ضرُورت پیش کرنے کے لیے حاضر ہُوا ہوں۔

حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا کہ خیمے میں سے کراہنے کی آواز کیسی آرہی ہے؟ اُس آدمی نے کہا کہ میاں، جاؤ اپنا کام کرو۔ تُمھیں اِس سے کیا کہ یہ آواز کیسی ہے۔ یہ جواب سُن کر حضرت عمرؓ نے اِصرار کیا کہ نہیں! مجھے ضرور بتائیے کہ یہ آواز کس کی ہے؟ حضرت عمرؓ کے اِصرار پر اس شخص نے بتایا کہ اندر میری بیوی ہے۔ اس کے بچہ ہونے والا ہے اور وُہ تکلیف کی وجہ سے کراہ رہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے پُوچھا کہ خیمے میں کوئی دُوسری عورت

بھی ہے۔ اُس آدمی نے کہا نہیں، خیمے میں تنہا میری بیوی ہے۔

حضرت عمرؓ نے یہ بات سُنی تو اُٹھ کر سیدھے اپنے گھر تشریف لے گئے اور اپنی بیوی کو اس عورت کی تکلیف کا حال سُنایا۔ عورت کا حال سُن کر اُنھوں نے فرمایا کہ اگر آپ فرماتے ہیں تو مَیں آپ کے ساتھ وہاں چلنے کو تیّار ہُوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کھانے پینے کا کچھ سامان اور ضرورت کی دُوسری چیزیں بھی ساتھ لے لو۔ جناب اُمّ کلثومؓ نے یہ چیزیں لیں اور اُس خیمے کی طرف چل پڑیں جس میں عورت درد سے کراہ رہی تھی۔

حضرت عُمرؓ اور ان کی بیوی حضرت امّ کلثومؓ دونوں ساتھ ساتھ خیمے تک آئے۔ حضرت عمرؓ خیمے کے باہر رہے اور بیوی خیمے کے اندر چلی گئیں۔ حضرت عُمرؓ نے آگ جلائی اور ایک ہانڈی میں کچھ پکا کر اُس میں گھی ڈالا۔ اِتنے میں خیمے کے اندر سے حضرت امّ کلثومؓ کی آواز آئی کہ "امیرالمومنین، اپنے دوست کو بشارت دیجیے کہ اس کی بیوی کے لڑکا پیدا ہُوا ہے"۔ امیرالمومنین کا لفظ اُس آدمی کے کان میں پڑا تو وُہ بہت گھبرایا۔ حضرت عُمرؓ نے فرمایا "گھبرانے کی کوئی بات نہیں" یہ کہہ کر ہانڈی خیمے کے پاس رکھ دی اور بیوی سے کہا کہ بچّے کی ماں کو کچھ کھلا دیجیے۔ حضرت اِمّ کلثومؓ نے عورت کو کھانا کھلایا اور ہانڈی باہر رکھ دی۔ حضرت عمرؓ نے اُس آدمی سے کہا کہ اب تُم بھی کچھ کھا لو، تُمھاری ساری رات جاگنے میں گزر گئی ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ اپنی اہلیہ کو لے کر گھر تشریف لے آئے۔ خیمے سے روانہ ہوتے وقت اُنھوں نے اُس آدمی سے کہا کہ تُم کل آنا، تُمھاری ضرورت بھی پُوری کر دی جائے گی۔

ہمدردی، خدمت اور ایثار کی یہی خُوبیاں ہیں کہ اگر ہم ان کی عادت ڈال لیں تو کوئی آدمی تکلیف میں نہ رہے۔

مشقیں

۱۔ جواب دیجیے:-

(i) ہمدردی کے کیا معنی ہیں؟

(ii) ہم کس طرح کی ہمدردی کو ایثار یا قربانی کہتے ہیں؟

(iii) انصار سے کیا مراد ہے ؟

(iv) بندوں کی خُوشنودی سے اللہ کی خُوشنودی کس طرح حاصل ہوتی ہے ؟

۲- میسّر نہ آنا۔ اندازہ لگا لینا۔ دریغ نہ کرنا۔ دم توڑنا۔ ترجیح دینا۔ جاں بحق ہونا۔ خُوشنودی حاصل کرنا۔ اِصرار کرنا۔ بشارت دینا کو جُملوں میں استعمال کیجیے۔

۳- حضرت عمرؓ رات کے وقت گشت کے لیے کیوں نِکلا کرتے تھے ؟

۴- جُملوں میں خالی جگہوں کو پُر کیجیے :

(i) ایثار اللہ تعالیٰ کو بہت ______ ہے۔

(ii) دوسروں کے لیے تکلیف ______ کرنے کا نام ایثار ہے۔

(iii) دوسروں کے ______ میں شریک ہونے کا نام ہمدردی ہے۔

(iv) میں نے اُن کی صورت دیکھ کر اُن کی پریشانی کا ______ لگا لیا۔

(v) ایک صحابیؓ نے دوسرے صحابیؓ کی پیاس کو اپنی پیاس پر ______ دی۔

۵- اس سبق میں سے دس اسم ضمیر چُن کر لکھیے۔

۳۶۔ تتلیاں

پر کھول کے تتلیوں کی پرواز
پر جوڑ کے بیٹھنے کا انداز!

اُس پھول سے اُڑ کر اِس پہ بیٹھیں
رس لے کے اُڑیں وہ جس پہ بیٹھیں

نازک نازک وہ خوش نُما پر
اُڑتی ہوئی تتلیاں ہوا پر

وہ نقش و نگار اور بوٹے
پر اُن کے چھوؤ تو رنگ چھوٹے

رنگ ان میں بہت ملے ہوئے ہیں
پر کیا ہیں؟ چمن کھلے ہوئے ہیں

ہیں رنگ کئی ہر اک کے پر پر
چھوٹا سا چمن ہے اُن کا ہر پر

ہے رنگ کسی کا زرد گہرا
اتنا گہرا کہ بس سُنہرا

کوئی جس کے سفید ہیں پر
جیسے چاندی کے صاف پتّر

طاؤسی، صندلی، گلابی!
دھانی، کاہی، سیاہ، آبی

پرواز بھی حُسن ہے، پھبن بھی
رنگت بھی ہے حُسن، سادہ پن بھی

(شوق قدوائی)

مشقیں

۱۔ شاعر نے اس نظم میں تتلیوں کی کس چیز کی خاص طور پر تعریف کی ہے؟

۲۔ شاعر نے اس نظم میں جن رنگوں کا ذکر کیا ہے ان کے نام لکھیے۔ اور ان میں سے کچھ رنگوں کا نشان اپنی کاپی پر لگائیے۔

۳۔ اس شعر کی تشریح کیجیے:

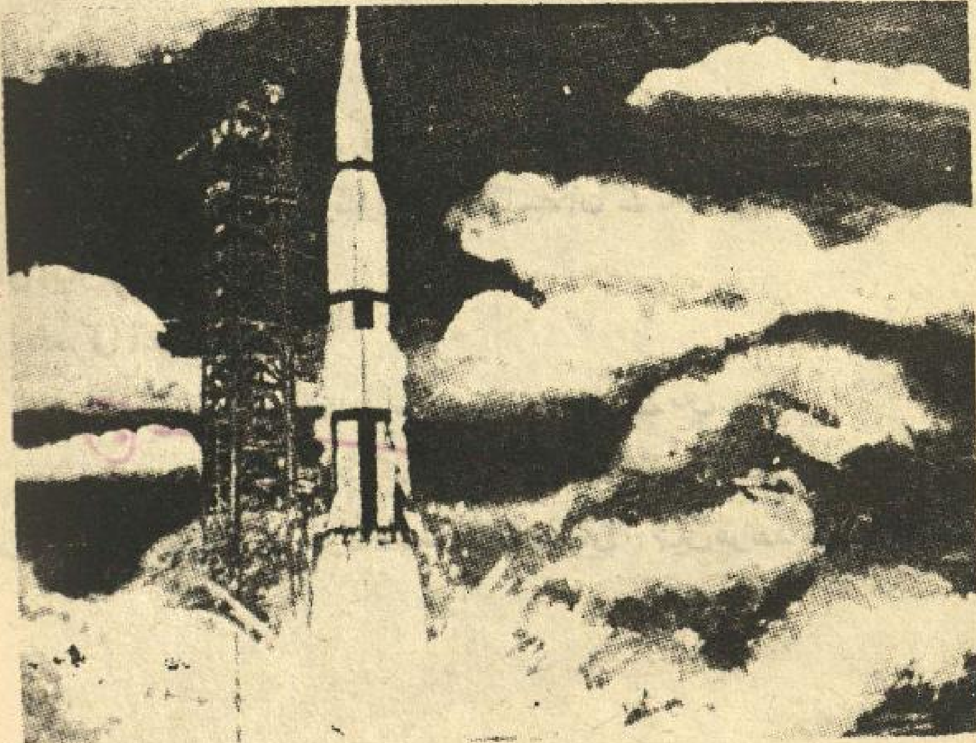
رنگ ان میں بہت ملے ہوئے ہیں
پر کیا ہیں چمن کھلے ہوئے ہیں

۴۔ اِس نظم میں رنگوں کے لیے جو لفظ استعمال ہوئے ہیں، انہیں قواعد میں کیا کہتے ہیں؟

۳۷۔ اپالو کی واپسی

جولائی ۱۹۷۵ء کی ایک سُہانی شام تھی۔ اسلم کے گھر میں ایک میلہ سا لگا ہوا تھا۔ آس پاس کے گھروں سے اس کے بہت سے دوست آ گئے تھے۔ یہ سب ٹیلی ویژن پر ایک بڑا دل چسپ پروگرام دیکھنے آئے تھے۔ اسلم کے ابّا، امّی اور بھائی بہنیں بھی کمرے کی دیواروں سے کُرسیاں لگائے بیٹھے تھے۔ چھوٹے بچّوں نے فرش پر بچھی ہُوئی دری پر قبضہ جما رکھا تھا اور سب کی نظریں ٹی۔وی کی طرف لگی ہُوئی تھیں۔

پروگرام شروع ہُوا تو پہلے ساحلِ سمندر پر بہت سے لوگ جمع نظر آئے۔ سمندر میں ایک بڑا سا جہاز کھڑا تھا۔ جہاز کے اُوپر ہیلی کاپٹر رکھے نظر آ رہے تھے۔ ساحل پر کھڑے لوگوں میں سے بہتوں کے پاس دُوربینیں تھیں اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ دُوربینوں سے آسمان کی طرف دیکھتے جاتے تھے۔ اِن سب کو امریکہ کے خلائی جہاز اپالو کے سمندر میں اُترنے کا اِنتظار تھا۔ اِدھر تو یہ جشن کا سماں تھا اور اُدھر بہت دُور امریکہ کے شہر ہوسٹن میں ایک بڑے سے ہال میں بہت سے لوگ طرح طرح کے آلات سامنے رکھے کام میں مصروف تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کچھ لوگ ان آلات کی مدد سے آنے والے امریکی خلابازوں سے باتیں بھی کر لیتے تھے۔ خلابازوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ امریکہ کا یہ خلائی جہاز ایک تاریخی سفر سے واپس آ رہا تھا۔ چند دن پہلے یہ رُوسی جہاز



سریوز کے خلا کی طرف اُڑنے کا منظر ٹیلی ویژن پر دیکھ چکے تھے۔ پھر اُنھوں نے خلا میں امریکی اور رُوسی جہازوں کا ملاپ بھی دیکھا تھا۔ اس کے بعد رُوسی جہاز کو زمین پر اتارنے کا منظر بھی وہ ٹی۔وی پر دیکھ چکے تھے اور آج وہ امریکی جہاز اپالو کے سمندر میں اُترنے کا منظر دیکھنے کے لیے بے قرار تھے۔ ٹی۔وی کے پردے پر پھر ساحل سمندر کا منظر دکھایا جا رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دُور فضا میں ایک چھوٹا سا دائرہ حرکت کرتا ہُوا نظر آیا۔ یہی اپالو تھا جو خلا کے سفر سے واپس آ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ زمین کے قریب آگیا۔ بچّوں کو ڈر لگ رہا تھا کہ اتنی تیزی سے آنے والا جہاز ابھی سمندر میں دھڑام سے گِر پڑے گا، لیکن جب اپالو اور نزدیک آیا تو یکایک تین بڑی بڑی چھتریاں فضا میں کُھل گئیں۔ یہی چھتریاں ہیں جنھیں پیراشوٹ کہتے ہیں۔ جب یہ کُھلتے ہیں تو اُن میں ہوا بھر جاتی ہے جو اُوپر کی طرف زور لگاتی ہے۔ اس طرح جہاز کے نیچے گرنے کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔ اتنے میں اپالو سمندر میں آہستگی سے اُترا۔ ساحل پر کھڑے سمندری جہاز اس کی طرف بڑھنے لگے۔ ہیلی کاپٹر اُڑ کر اپالو کی طرف بڑھے اور اس کے اُوپر منڈلانے لگے۔ تھوڑی دیر میں ہیلی کاپٹر اپالو کے اس خول کو جس میں امریکی ہوا باز سوار تھے، اُٹھا کر بڑے جہاز کی طرف لے آئے۔ خلا باز صحیح سالم واپس آچکے تھے۔

پروگرام ختم ہوا تو بچّے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اسلم کی امّی چھوٹے بچّوں کو لے کر باہر صحن میں جا لیٹیں، مگر اسلم ابّا جان کے پاس کُرسی پر آ بیٹھا اور بولا: "ابّو ایک خلائی جہاز بنانے میں کتنا خرچ آتا ہو گا؟"

"کیوں؟ بنانے کا ارادہ ہے؟" ابّا جان نے ہنس کر جواب دیا۔ "لیکن بیٹا یہ صرف جہاز بنانے ہی کا تو مسئلہ نہیں، اس کے لیے تو پہلے راکٹ تیار کرنا پڑتا ہے۔ جو اتنے بھاری جہاز کو فضا میں اُٹھا سکے۔ پھر اس کی اُڑان کو قابو میں رکھنے کے لیے بڑی قیمتی مشینیں درکار ہوتی ہیں۔ بس یوں سمجھ لو کہ ایک خلائی سفر پر اربوں رُوپے خرچ ہو جاتے ہیں۔"

"لیکن ابّو! اِتنا روپیہ خرچ کرکے فائدہ کیا حاصل ہوتا ہے آخر؟" اسلم نے سوال کیا۔

"بیٹا تم نے بڑا اچھا سوال کیا ہے۔ دیکھنے میں تو واقعی یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلائی سفروں پر جتنا روپیہ خرچ کیا جاتا ہے وہ بیکار ہے۔ یہ بظاہر بڑی مہنگی تفریح معلوم ہوتی ہے لیکن بیٹا بعض تجربات کا نتیجہ فوری طور پر ظاہر نہیں ہوا کرتا۔ رُوس اور امریکہ نے خلائی سفروں کے دوران جو تجربات حاصل کیے ہیں اس میں سائنس کی آئندہ ترقّی کے لیے بڑے دُور رس نتائج پوشیدہ ہیں۔ تمھیں معلوم ہے کہ چاند کے سفر کے دوران چاند کے بارے میں بہت سی نئی باتیں معلوم ہُوئیں جن سے مستقبل

میں فائدہ اُٹھایا جائے گا۔ چاند کے بعد دُوسرے سیّاروں کی طرف بھی خلائی جہاز بھیجنے کا تجربہ کیا جا چکا ہے۔ زمین سے علیحدہ علیحدہ جہاز بھیجنے پر خرچ بھی بہت ہوتا ہے اور زیادہ دُور تک جہازوں کو بھیجا بھی نہیں جا سکتا، اس لیے اب یہ پروگرام بنایا گیا ہے کہ خلا میں سٹیشن قائم کیے جائیں۔"

"لیکن ابّو! خلا میں زمین تو ہے نہیں، پھر یہ سٹیشن کس چیز پر بنائے جائیں گے؟" اسلم نے جاننا چاہا۔ "بھئی وہ سٹیشن تمھاری ریل گاڑیوں والے سٹیشن نہیں ہوں گے اور نہ وہ ایک جگہ کھڑے رہیں گے۔ خلائی سٹیشن بس بڑے سے جہاز ہی کی طرح کے ہوں گے، جو خلا میں گردش کرتے رہیں گے۔" ابّا نے جواب دیا۔

"لیکن ابّو ان کا کیا فائدہ ہوگا؟" اسلم نے پُوچھا۔

"ان کا فائدہ یہ ہوگا کہ بعد میں زمین سے چھوٹے چھوٹے خلائی جہاز بھیجے جایا کریں گے، وہ ان سٹیشنوں سے ایندھن لے کر خلا میں دُور تک اپنا سفر جاری رکھ سکیں گے۔ اسی طرح وہ دُوسرے سیّاروں تک پہنچ کر ان کے بارے میں بھی ایسی باتیں معلوم کر سکیں گے جو ابھی تک ہمیں معلوم نہیں ہیں۔" ابّا نے کہا۔ "لیکن ان سیّاروں پر پہنچ کر ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟" اسلم نے پُوچھا۔

"ابھی تو کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن کیا پتا ان سیاروں سے ہمیں کیا کیا دولت ہاتھ آ سکے۔ مثلاً سونے چاندی اور قیمتی پتھروں کے ذخیرے، تیل، گیس وغیرہ۔" ابّا نے جواب دیا۔ "لیکن وہاں تو کوئی رہتا ہی نہیں، پھر یہ چیزیں کون نکالے گا؟" اسلم نے پُوچھا۔

ابّا نے کہا: "ہاں یہی تو ایک مُشکل ہے۔ سب سے پہلے تو یہ دیکھنا پڑے گا کہ ان سیّاروں کی آب و ہوا کیسی ہے؟ انسان وہاں رہ بھی سکے گا کہ نہیں۔ اگر وہاں انسان کی بُنیادی ضرورتیں مثلاً پانی اور ہوا مِل سکیں یا یہ چیزیں یہاں سے اتنی زیادہ مقدار میں وہاں تک پہنچائی جا سکیں تو ممکن ہے تھوڑی مدّت تک انسان کے لیے وہاں رہنا ممکن ہو جائے۔ اسی مقصد کے لیے تو خلائی سٹیشن بنانے کا منصوبہ تیار کیا جا رہا ہے تاکہ ضرورت کی چیزیں لینے کے لیے بار بار زمین پر نہ آنا پڑے بلکہ یہ چیزیں خلا میں موجود اِن گھومتے پھرتے سٹیشنوں ہی سے حاصل کی جا سکیں۔"

اسلم بولا: "لیکن ابّو، یہ سٹیشن تو امریکہ اور رُوس کے ہوں گے۔ وہ اپنی چیزیں دُوسروں کو کیوں لینے دیں گے؟"

ابّا نے کہا: "ہاں بیٹا، تمھارا سوال ٹھیک ہے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ مُشکل اسی طرح آسان ہو سکتی ہے کہ بہت سے ملک مل کر ان پروگراموں میں حِصّہ لیں۔ اگر یہ ملک اپنے اپنے خلائی

سٹیشن بنانے لگے تو بہت زیادہ خرچ ہوگا۔ اس کے برعکس اگر بہت سے ملک مِل کر چند خلائی سٹیشن بنا لیں تو سب مُلکوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اب بڑے بڑے ملک اس ضرورت کا احساس کرنے لگے ہیں۔ انسان کی ترقّی کے لیے مِل جُل کر کام کرنا بہت ضروری ہے۔ اب دیکھو نا آج ہی کے پروگرام پر غور کرو۔ امریکہ نے اپنا خلائی جہاز امریکہ سے روانہ کیا۔ رُوس نے اپنا جہاز رُوس سے اُڑایا۔ پھر خلا میں ان دونوں جہازوں کا ملاپ ہُوا۔ امریکہ کے خلا باز اپنے جہاز میں رہ کر بھی تجربے کر سکتے تھے۔ اب دونوں مُلکوں کے خلا بازوں نے مل کر تجربے کیے تو زیادہ مفید باتیں معلوم ہو سکیں گی۔ اور بیٹا یہ ابھی پہلا پہلا تجربہ تھا جو بڑا کامیاب رہا۔ اب دونوں مُلکوں نے پروگرام بنایا ہے کہ آئندہ بھی مِل جُل کر تجربات کیے جائیں۔ ممکن ہے بعد میں دُوسرے ملک بھی ان خلائی تجربوں میں شامل ہو جائیں۔ اس طرح مِل جُل کر کام کرنے کی بدولت سائنس کو بہت ترقّی ملے گی اور دُنیا پر رہنے والے تمام انسان اس سے فائدہ اُٹھا سکیں گے۔"

ابّا نے بات ختم کر کے اسلم کی طرف دیکھا تو وہ آنکھیں بند کیے کُرسی پر اُونگھ رہا تھا۔ رات کافی گُزر چکی تھی، اس لیے ابّا نے اسلم کو ہلا دیا۔ "اسلم بیٹے! تم تو یہیں سو گئے۔ چلو اپنے بستر پر چل کر لیٹو۔"

"ابّو آپ نے تو مجھے یونہی جگا دیا، میں تو بڑے مزے سے خلائی جہاز میں بیٹھا فضائی سفر کر رہا تھا۔"

ابّا ہنس پڑے اور اسلم کا بازو پکڑ کر اسے اس کے بستر پر لٹا دیا۔

مشقیں

۱۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دیجیے: (i) خلا سے کیا مراد ہے؟ (ii) دُوربین کسے کہتے ہیں؟ (iii) خلائی سٹیشن بنانے کا کیا فائدہ ہے؟

(iv) جن مُلکوں نے خلائی پروازوں کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اُن کے نام بتایئے۔

(v) خلائی جہاز کو نیچے اُتارنے میں پیراشوٹ کیوں استعمال کیے جاتے ہیں؟

۲۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے واحد لکھیے: آلات - تجربات - نتائج۔

۳۔ مندرجہ ذیل کے معنی لکھیے اور انہیں جُملوں میں استعمال کیجیے:

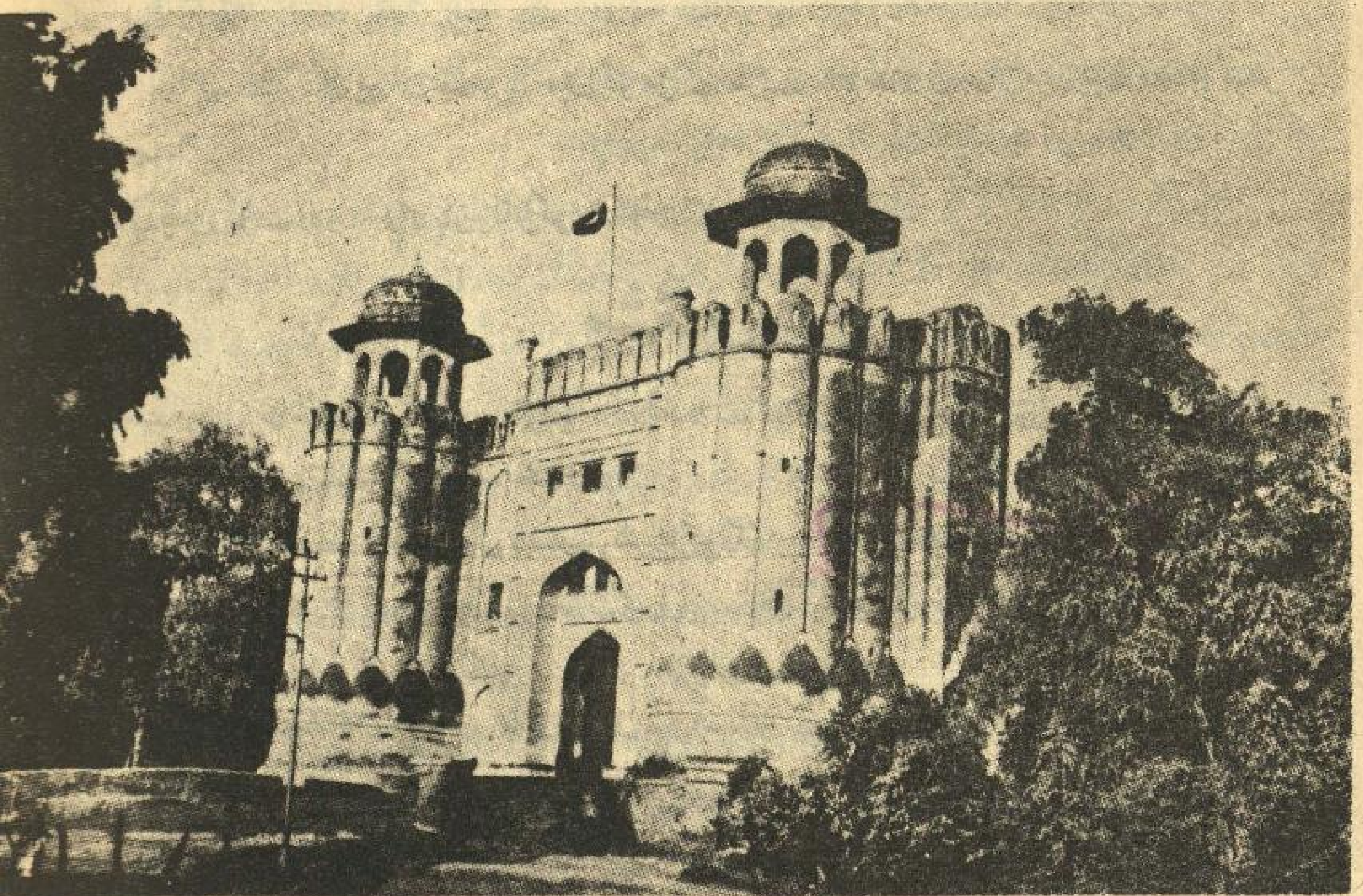
یکایک - دُور رس - اتنے میں - برعکس

۴۔ سبق میں سے تین تین اسم مصدر، اسم مشتق، اسم جامد اور اسم معرفہ چُن کر کاپی میں لکھیے۔

۳۸۔ شاہی قلعے کی سیر

ریاض نے خلیل بھائی کی اجازت سے اپنے دوست ارشد کو ساتھ لیا اور تینوں شاہی قلعے کی طرف روانہ ہوئے۔ رکشا والے نے ان کو شاہی مسجد کے دروازے پر اُتار دیا۔ ارشد نے سوال کیا "خلیل بھائی کیا بادشاہی مسجد قلعہ کے اندر ہے؟" خلیل بھائی بولے "نہیں۔ رکشا والا ہمیں غلط جگہ پر اُتار گیا ہے۔ اب ٹکٹ گھر تک جانے کے لیے تھوڑی دُور تک پیدل چلنا پڑے گا"۔ راستے میں اُنھوں نے کہا: "دیکھو بچو! اس قلعے کا طُول مشرق سے مغرب کی جانب قریباً ساڑھے چار سو میٹر اور عرض شمال سے جنوب کی جانب قریباً پونے تین سو میٹر ہے"۔ ریاض جھٹ بول پڑا "تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قلعہ مستطیل ہے"۔ خلیل بھائی ریاض کی بات سے بہت خوش ہوئے اور بولے: "تم نے ٹھیک کہا ایسے رقبے کو مستطیل کہتے ہیں"۔

ارشد بولا "خلیل بھائی یہ قلعہ شہر کی کس سمت میں ہے؟" خلیل بھائی نے جواب دیا کہ یہ شہر کے شمال مغربی گوشے میں ہے اور بادشاہی مسجد کے عین سامنے۔



ٹکٹ لینے کے بعد یہ لوگ سیدھے "ہاتھی پول" پر جاکر رُکے۔ ارشد نے کہا اُفوہ یہ زینے کتنے لمبے چوڑے ہیں۔ ریاض نے کہا شاید یہاں سے ہاتھی قلعہ کے اندر جاتے ہوں گے۔ خلیل بھائی کہنے لگے "تمہارا خیال درست ہے، اسی لیے اس راستے کو ہاتھی پول یا ہاتھی پیڑ کہتے ہیں۔ شہزادیاں ہاتھیوں پر بیٹھ کر اسی راستے سے قلعہ میں آیا جایا کرتی تھیں۔"

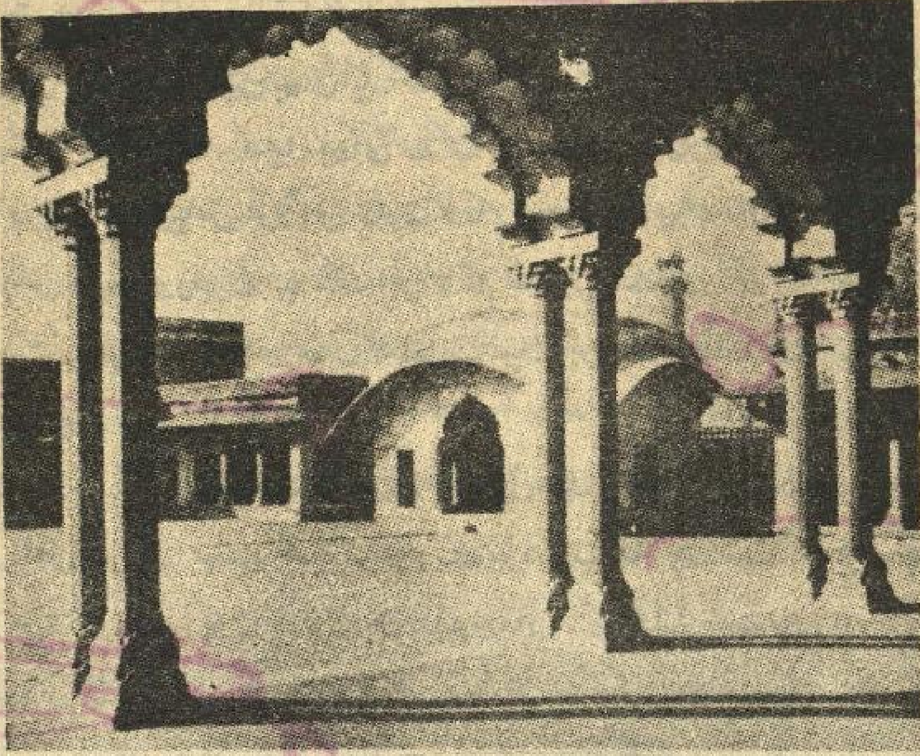
ہاتھی پول سے گزر کر خلیل بھائی ایک عمارت کے بہت اُونچے دروازے کے سامنے رُک گئے۔ اس دروازے پر ایک کتبہ نصب تھا۔ خلیل بھائی نے کہا اس کتبے میں عمارت کی تعمیر اور قلعہ کے معمار کے متعلق تفصیلات درج ہیں۔ ریاض بولا "اس عمارت کا نام تو میں نے پڑھ ہی لیا۔ اس کا نام شاہ برج ہے نا" خلیل بھائی ہنس پڑے اور بولے بے شک اس کا نام شاہ برج ہے اور اس کے معمار کا نام عبد الکریم تھا جس کو حکومت کی طرف سے "معمور خان" کا خطاب مِلا ہوا تھا۔ قلعہ کی زیادہ تر عمارتیں اُسی کی نگرانی میں تعمیر ہوئی تھیں۔

باتیں کرتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئے تو خلیل بھائی نے کہا لو بھئی اب ہم شاہ برج میں داخل ہو گئے۔ ریاض جو ایک سفید تختی کو غور سے پڑھ رہا تھا اپنی نوٹ بُک میں کچھ لکھتے ہوئے بولا، اچھا تو یہ شاہ برج اور ہاتھی پول دونوں ہی شاہ جہاں کے بنوائے ہُوئے ہیں اور ان کا سنِ تعمیر بھی ایک ہی ہے یعنی ۱۶۳۳ء (۱۰۴۲ھ)" خلیل بھائی نے خوش ہو کر کہا "اچھا تو جناب اپنی یادداشت کی کاپی ساتھ لائے ہیں، خُوب! ریاض بولا۔ خلیل بھائی یہ جو شاہ برج والے دروازے پر اتنا خُوب صورت کام اور نقش و نگار نظر آتے ہیں، اس کو کیا کہتے ہیں؟ خلیل بھائی نے بتایا۔ "اس کام کو کاشی کاری کہتے ہیں۔ ذرا دیکھو اب تک رنگ اور روغن کی تازگی میں فرق نہیں آیا۔ البتہ سکھوں کی خانہ جنگی نے اور پھر انگریزوں نے ان نقش و نگار کو بہت نقصان پہنچایا۔"

ارشد نے کہا "خانہ جنگی آپس کی لڑائی کو کہتے ہیں؟" ریاض بولا ہاں ہاں، اور ارشد کیا تم نے وہ ہاتھی پول کے ساتھ دیواروں پر گولیوں کے نشان دیکھے تھے؟ یہ اسی زمانے کی گولیوں کے نشان ہیں۔

اب شاہ برج کی اصل عمارتیں یعنی شیش محل اور نولکھا ان کے سامنے تھیں۔ خلیل بھائی نے کہا بچو پہلے شیش محل کے اندر چلتے ہیں پھر نولکھا دیکھیں گے۔ یہ شیش محل کی عمارت ہے جو سنگِ مرمر کے بارہ پہلی ستونوں پر قائم ہے۔ دونوں جانب جو دالان سے نظر آرہے ہیں، ان کو سہ دریاں کہتے ہیں، یہ سہ دریاں دو چھتی ہیں۔ ستونوں کی کرسیوں پر پچّی کاری کی

ہُوئی تھی جو سکّھوں اور انگریزوں کے زمانے میں ضائع ہو گئی۔ اس کا کچھ حِصّہ ستونوں کے بالائی حِصّے میں موجود ہے۔ خلیل بھائی نے کہا یہاں اور اندر کے کمروں میں جو کام کیا گیا ہے اس کو آئینہ بندی کہتے ہیں اور اسی سبب سے یہ عمارت شیش محل کہلاتی ہے۔ ذرا دیکھو تو



کیسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جوڑ کر اسے تیار کیا گیا ہے۔ ارشد بولا۔"اور بیچ بیچ میں یہ نگینے لگے ہیں،"ریاض نے کہا۔ یہ نگینے نہیں رنگین شیشے ہیں۔ واہ کیا خوب صُورت پرندے اور بیل بُوٹے بنائے ہیں۔ یہ جو اِدھر اُدھر کمرے ہیں یہ بغلی کمرے کہلاتے ہیں اور شش پہلی ہیں۔ وہ ایک کمرے سے چلتے ہوئے دُوسرے کمرے میں چلے گئے۔ خلیل بھائی مغربی کمرے میں جا کر پھر رُکے اور بولے ذرا اس کمرے کو دیکھو پانی کا کتنا عُمدہ انتظام ہوتا ہوگا۔ یہ دیکھو یہ تین فوّاروں کے نشان اب بھی بیرونی کٹہروں کے قریب باقی ہیں۔ اب سوچو: پچھلے جھروکوں سے آنے والی ہوا کتنی خُنک اور خوشگوار ہو کر اندر آتی ہوگی۔ دونوں لڑکے جو بڑے غور سے اس کمرے کا کام دیکھ رہے تھے ایک ساتھ بول اُٹھے:

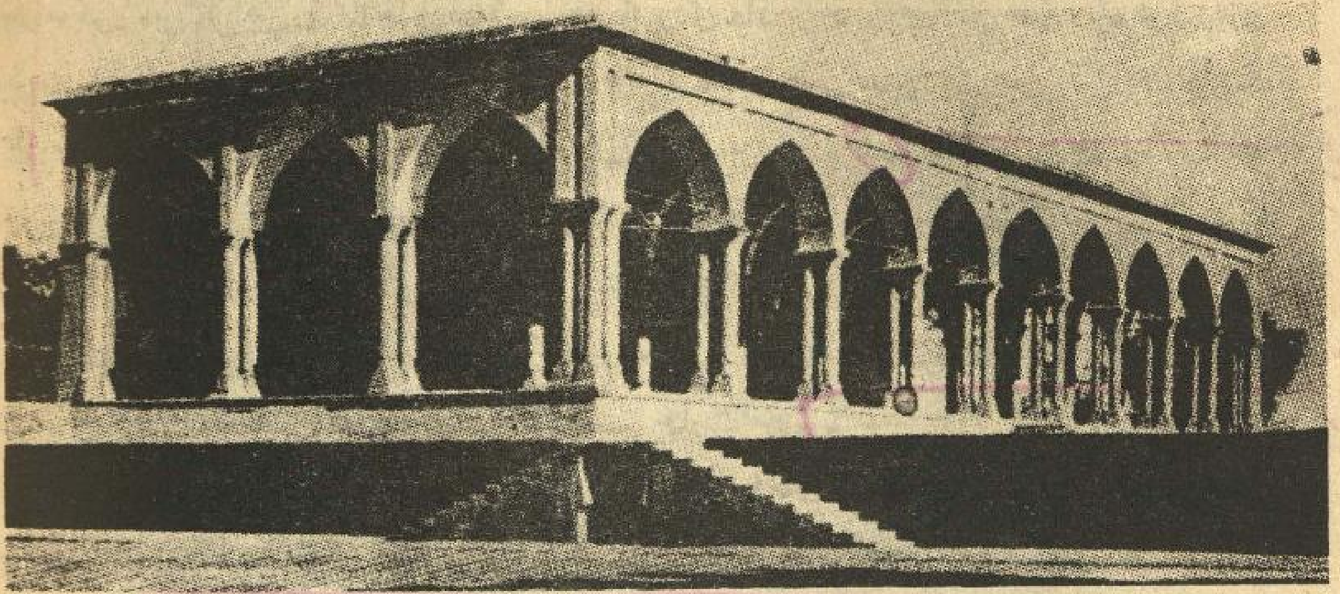
اُفوہ! اس کمرے میں تو سب کمروں سے زیادہ خوبصُورت کام ہے۔ یہاں رات کو روشنی میں کیا سماں بندھتا ہوگا۔ اور جب وہ مشرقی کمرے میں داخل ہوئے تو ٹھٹک گئے، اس لیے کہ یہاں رنگین شیشہ زیادہ استعمال ہُوا تھا۔ ارشد آئینوں کو دیکھتے دیکھتے بول اُٹھا۔ ارے یہ کیا؟ ایسا معلوم ہوتا ہے ہمارے ساتھ ساتھ

ایک ہجوم چلا آرہا ہے۔ خلیل بھائی نے کہا ارشد! یہ سب آئینوں کا کمال ہے ورنہ یہاں تو ہم تین ہی موجود ہیں۔" ریاض نے کہا" خلیل بھائی یہ جھروکوں کی جالیاں تو دیکھیے"۔ ہاں بھئی دیکھ لو کہ ان ہنرمندوں کے ہاتھوں میں پہنچ کر سنگِ مرمر کیسا موم ہو جاتا تھا، جس صورت اور جس نقش میں چاہتے تھے اس کو ڈھال لیتے تھے۔ شاہی زمانے میں دریائے راوی اس رُخ پر قلعہ کے عین سامنے سے گزرتا تھا اور یہ جھروکے اس کا خوبصورت نظارہ کرنے کے کام آتے تھے۔ جھروکے دیکھ چکنے کے بعد یہ لوگ نولکھا کی طرف آئے جس کی چھت کے کنگروں کا کام اور انداز دیکھ کر لڑکے اُچھل پڑے۔

ریاض نے کہا اس عمارت کی چھت پر کتنا خوبصورت اور باریک کام ہے۔ خلیل بھائی نے کہا۔ ہاں ریاض یہ کام نایاب ہے اور غالباً کسی دُوسری مُغلیہ عمارت میں اتنا نفیس اور باریک کام موجود نہیں۔ ارشد نے پُوچھا اس کو نولکھا کیوں کہتے ہیں۔ خلیل بھائی نے کہا بھئی اس کی تعمیر پر بہت سا روپیہ صرف ہوا تھا، ممکن ہے نو لاکھ ہی خرچ ہو گیا ہو۔ اچھا تو تم نے یہ بھی دیکھا کہ اس عمارت کو سنگِ مرمر اور سنگِ موسیٰ سے تیّار کیا گیا ہے اور دیکھو یہاں بھی پچی کاری کا کام ہے البتّہ بیچ بیچ میں جو خلاء دیکھ رہے ہو یہاں قیمتی پتھر اور نگینے لگے ہُوئے تھے جو پہلے سکھوں نے اور پھر انگریزوں نے نکال لیے ریاض جھنجھلا کر بولا۔ یہ آخر کس قِسم کے لوگ تھے، خوبصورت چیزوں کو برباد کرکے کیوں رکھ دیتے تھے؟ خلیل بھائی نے کہا میاں! اسی لیے تو تم لوگوں کو دن رات سکھایا جاتا ہے کہ اپنی آزادی کی حفاظت کرو اور غلامی سے ڈرو۔ جو قوم اپنی آزادی کی حفاظت نہیں کرتی اس کو یہی سزا ملتی ہے کہ اس کی ہر اچھی یادگار تباہ و برباد کردی جاتی ہے۔

شاہ برج سے نکلتے وقت خلیل بھائی نے کہا دیکھو نولکھا اور شاہ برج تک ہم جس چوک سے گزر کر گئے ہیں، اس کا فرش اینٹوں سے بنا ہُوا ہے۔ چٹائی کے انداز پر بنائے ہوئے کھڑی اینٹوں کے فرش کو کھڑنجا کہتے ہیں۔ اس کے وسط میں فوّارہ ہے یہ دیکھو اس حوض کے چاروں طرف سنگِ سُرخ کی بند نہریں ہیں۔ مغلیہ عمارتوں کی یہ خصوصیت ہے کہ ان میں پانی کا انتظام ہر جگہ موجود ہے تم دیکھو گے کہ خواب گاہ میں بھی فوّارہ لگا ہُوا ہے۔ مغلوں کو سرسبزی و شادابی سے خاص اُنس تھا۔ یہاں سے نکل کر سب دیوانِ خاص میں پہنچے، پھر جہانگیر کی خواب گاہ دیکھی۔ خلیل بھائی نے بتایا کہ یہاں قریب ہی شاہی حمام تھے جن میں گرم پانی کے تالاب بنے ہُوئے تھے۔ انھیں بھٹّیاں جلا کر گرم رکھا جاتا تھا۔ خواب گاہ سے ہوتے ہُوئے سب دیوانِ عام میں آئے۔ اس بلند و بالا عمارت کو دیکھ کر ریاض بہت متحیّر ہُوا۔ خصوصاً یہ دیکھ کر کہ بعض ستون ایک ہی پتھر کے ٹکڑے سے بنے ہیں۔ عمارت کی پختگی، بلندی،

کشادگی اور خوبصورتی کا دل و دماغ پر گہرا اثر پڑتا تھا۔



شام ہو چلی تھی۔ خلیل بھائی نے بتایا کہ ابھی تو قلعے کے بہت سے حصّے دیکھنا باقی ہیں۔ اُنھیں پھر کسی دن دیکھیں گے۔ بہتر ہے اب گھر کو چلیں۔

مشقیں

۱۔ قلعے کے شیش محل کا منظر اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

۲۔ آپ نے جو تاریخی عمارت دیکھ رکھی ہو اس کی سیر کا ذکر کیجیے۔

۳۔ اس مضمون سے مغلیہ عمارتوں کی کون کون سی خوبیاں آپ کو معلوم ہوئی ہیں؟

۴۔ ان کے معنی لکھیے اور جملوں میں استعمال کیجیے:

جی اکتا جانا۔ معمار۔ خطاب۔ خانہ جنگی۔ غضب کا۔ دلکش۔ ٹھٹک جانا۔ چونک پڑنا۔

۵۔ آپ کسی عمارت یا مشہور جگہ کی سیر کو جائیں تو نوٹ بک ساتھ لے جائیں اور ضروری باتیں درج کرتے رہیں۔ گھر آ کر دل چسپ سا مضمون لکھ لیں۔

۶۔ اس مضمون سے ایسے الفاظ کی فہرست بنائیے جن کا تعلق عمارت اور فنِ تعمیر سے ہو جیسے پچّی کاری۔ نفیس کام .... وغیرہ۔

۳۹۔ مٹّی کا دِیا

جُھٹ پُٹے کے وقت گھر سے ایک مٹّی کا دِیا
ایک بُڑھیا نے سرِ رہ لا کے روشن کر دیا
تاکہ رہ گیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آساں گُزر جائے ہر اِک چھوٹا بڑا
یہ دِیا بہتر ہے اُن جھاڑوں سے اور فانُوس سے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جن کی سَدا
گر نِکل کر اِک ذرا محلوں کے باہر دیکھیے
ہے اندھیرا گُھپ در و دیوار پر چھایا ہُوا
سُرخ رُو دُنیا میں بس وہ رہنُما مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

(حالی)

مشقیں

۱۔ شاعر نے اس نظم میں ہمیں کیا سمجھانے کی کوشش کی ہے؟
۲۔ اس نظم کو مسلسل نثر کی صورت میں تحریر کیجیے۔
۳۔ تیسرے شعر اور چوتھے شعر کا آپس میں کیا تعلّق ہے؟
۴۔ جملوں میں استعمال کیجیے:
ٹھوکر کھانا۔ آسان گزرنا۔ گھُپ اندھیرا۔ سرخ رُو۔ رہنما۔ ملاح

۴۔ جنگ قادسیہ

قادسیہ کے وسیع و کُشادہ میدان میں اسلامی لشکر نے بہت دنوں سے خیمے لگا رکھے تھے. سامنے دریائے عتیق بہہ رہا تھا۔ دریا کی دوسری جانب ایرانی سپہ سالار رُستم اپنی فوجوں کے ساتھ صف آرا تھا۔ اس کے لشکر میں ایک لاکھ بیس ہزار سپاہی شامل تھے۔ سب سے آگے ہاتھیوں کا دستہ تھا۔ دائیں بائیں ہتھیاروں سے بھرے ہُوئے صندوق اور گھوڑوں پر سوار مسلّح سپاہی تھے۔ ادھر مسلمانوں کے لشکر میں مرد عورتیں ملا کر کُل چھتیس ہزار افراد تھے۔ یہ لشکر اللہ کے دین کی سربلندی کا عزم لے کر یہاں آیا تھا۔ اس میں بڑے بڑے صحابی، غزوۂ بدر کے مجاہد، عالم اور حافظ شامل تھے۔ حضرت عُمرؓ نے بڑے غور و فکر کے بعد اس لشکر کی قیادت مسلمانوں کے عظیم جرنیل حضرت سعدؓ کے سپرد کی تھی۔ حضرت سعدؓ کا مقصد جنگ نہیں تھا۔ ان کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ اس علاقے میں اللہ کا نام بلند ہو۔ عراقِ عجم کے لوگ اسلام قبُول کر کے ان کے بھائی بن جائیں اور اگر اسلام قبول نہ کریں تو جِزیہ دے کر مُسلمانوں کی پناہ میں آ جائیں۔

چنانچہ حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کے حُکم کے مطابق ایران کے بادشاہ یزدگرد کے پاس اپنا ایک وفد بھیجا۔ یزدگرد نے اس وفد سے ان کی آمد کی وجہ دریافت کی تو وفد کے قائد نے حضرت نبیؐ کریم کی تعلیمات کا ذکر کیا اور کہا:

"اگر تم نے ہمارا دین قبُول کر لیا تو ہم اللہ کی کتاب تمھارے پاس چھوڑ جائیں گے اور تمھیں تمام فیصلے اس کتاب کے احکام کے مطابق کرنے ہوں گے۔ اگر تُم جزیہ دینا پسند کرو گے تو ہم اسے بھی قبُول کر لیں گے، لیکن اگر تم نے یہ دونوں باتیں قبول نہ کیں تو تیسری صورت جنگ کی ہوگی۔" یزدگرد کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور اُس نے غضبناک لہجے میں کہا کہ "اگر قاصدوں کا قتل خلافِ اصول نہ ہوتا تو میں تمھاری گردنیں اُڑا دیتا۔ جاؤ میرے پاس تمھارے لیے کچھ نہیں ہے۔"

اس کے بعد مٹّی کا ایک ٹوکرا منگوایا اور کہا کہ اسے اس وفد کے سب سے معزّز شخص کے سر پر لاد کر واپس بھیج دیا جائے۔

وفد کے ارکان نے قادسیہ پہنچ کر سارا ماجرا حضرت سعدؓ سے بیان کیا۔ حضرت سعدؓ بولے: "یزدگرد نے ہمیں مٹّی کا ٹوکرا نہیں دیا بلکہ اپنی زمین خود ہمارے حوالے کر دی ہے۔ مبارک ہو

بخدا! اللہ نے ان کے ملک کی کنجیاں ہمیں عطا فرما دی ہیں۔" اس واقعے کے بعد مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ دریا کے دونوں طرف جنگ کی تیاریاں مکمل کر لی گئیں۔ اب سوال یہ تھا کہ دریا کون عبور کرے۔ حضرت سعدؓ دریا کے پار جا کر مسلمانوں کو خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ اپنی جگہ پر ڈٹے رہے۔ دریائے عتیق کے پُل پر پہلے سے مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ رُستم پریشان تھا کہ وہ دریا کو عبور کرے تو کیونکر؟ آخر اس نے ایک رات اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ جیسے بھی بن پڑے دریا کو عبور کیا جائے۔ رُستم کے حکم کی تعمیل کی گئی اور یوں ایرانی فوج نے دریا عبور کر کے لڑائی کے لیے اپنی صفیں درست کر لیں۔

اتّفاق سے انھی دنوں مسلمانوں کے جرنیل حضرت سعدؓ ایک شدید بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے لیے اٹھنا بیٹھنا بھی ممکن نہ رہا۔ لیکن اس حالت میں بھی وہ پرچوں پر ہدایات لکھ لکھ کر اپنے فوجیوں کو برابر بھجواتے رہے۔ انھوں نے اپنی فوج میں سے قبیلوں کے سرداروں، شاعروں، خطیبوں اور بہادروں کو بلایا اور حکم دیا کہ فوج میں جا کر لوگوں کے حوصلے بلند رکھیں۔

حضرت سعدؓ نے سورۂ جہاد کی تلاوت کا حکم دیا۔ پہلے دونوں طرف سے ایک ایک، دو دو بہادر اپنی اپنی شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے، پھر عام حملہ شروع ہوا۔ بڑے گھمسان کی جنگ ہوئی۔ مسلمان اتنی بے جگری سے لڑے کہ حضرت سعدؓ عش عش کر اُٹھے۔ جب رُستم نے ایرانی لشکر کو یوں پسپا ہوتے دیکھا تو وہ اپنے ہاتھی میدان میں لے آیا۔ ہاتھیوں کو دیکھ کر گھوڑے بِدک گئے۔ حضرت سعدؓ نے فوراً اپنے جرنیلوں سے مشورہ کیا اور حکم دیا کہ تیر انداز فیل بانوں کو تیر مار کر ہلاک کر دیں۔ جب ہاتھیوں پر تیروں کی بارش ہوئی تو اُنھوں نے فیل بانوں کو نیچے گرا دیا اور چنگھاڑتے ہوئے اپنوں، بیگانوں کو کچلنے لگے۔ اُس روز لڑائی میں مسلمانوں کے پانچ سو سپاہی شہید ہوئے۔ حضرت سعدؓ اگرچہ مسلمانوں کی جُرأت سے خوش تھے، لیکن ہاتھیوں کی تباہ کاری کو دیکھ کر بے چین ہوئے جاتے تھے۔ لڑائی رات گئے تک جاری رہی۔ آخر دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ واپس ہو گئے اور دُوسرے دن کے لیے تیاری کرنے لگے۔ مسلمان عورتوں نے اپنے زخمی سپاہیوں کو میدانِ جنگ سے اٹھایا اور اپنے خیموں میں لا کر مرہم پٹی کرنے لگیں۔

دُوسرے دن سُورج طلوع ہُوا تو اللہ تعالےٰ کی مدد کا مژدہ اپنے ساتھ لایا۔ شام کی طرف سے ایک ہزار تازہ دم سپاہی سو سو کے دستوں میں میدانِ جنگ میں پہنچنے لگے۔ اس کمک سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ چنانچہ جنگ کے دوسرے روز مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا۔ اس روز ایرانی اپنے

ہاتھی میدانِ جنگ نہ لائے۔ مسلمانوں نے یہ کیا کہ اونٹوں پر جھولیں ڈال دیں اور یوں وہ دُور سے بالکل ہاتھی نظر آتے تھے۔ ایک ایک مسلمان نے کئی کئی مخالفوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ دُوسرے دن بھی لڑائی آدھی رات تک جاری رہی اور ہار جیت کا فیصلہ ہوئے بغیر سپاہی اپنے اپنے مورچوں میں واپس آ گئے۔

تیسرے دن لڑائی شروع ہُوئی تو رُستم اپنے ہاتھیوں کو پھر میدان میں لے آیا۔ اُنھوں نے تباہی مچانا شروع کر دی۔ حضرت سعدؓ نے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا تو ایک نے مشورہ دیا کہ ہاتھیوں کی آنکھیں اور سُونڈیں بے کار کر دی جائیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے ایک جرنیل نے اپنا نیزہ سامنے والے ہاتھی کی آنکھوں میں گھونپ دیا اور پھر تلوار سے سونڈ پر ایسا وار کیا کہ سونڈ الگ ہو کر دُور جا گری۔ دُوسرے سپاہی نے ایک اور ہاتھی کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ دونوں ہاتھی درد کے مارے کراہنے لگے اور اپنے ہی آدمیوں کو روندتے ہُوئے میدان سے بھاگ نکلے۔ ایک ہاتھی دیوانہ وار بھاگا اور دریا میں کُود گیا۔ دیکھا دیکھی باقی ہاتھی بھی دریا کی طرف بھاگے اور واپس نہ آئے۔ سارا دن جنگ ہوتی رہی لیکن اس روز بھی جنگ کا فیصلہ نہ ہو سکا آخر رات گئے سپاہی اپنے اپنے مورچوں میں واپس چلے گئے۔

لڑائی کا قاعدہ یہ تھا کہ فوجیں رات کو حملہ نہیں کرتی تھیں، لیکن اُس رات دونوں فریقوں کو غلط فہمی ہُوئی اور دونوں نے یہ سمجھا کہ دوسرے نے جنگ کا یہ قاعدہ توڑ دیا ہے۔ اس غلط فہمی میں دونوں نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا۔ ایک مسلمان جرنیل اپنے سپاہیوں کو لے کر رُستم کے تخت کی طرف دوڑا۔ رُستم تخت سے اُتر کر ایک خچّر کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا اور پھر بھاگ کر دریا میں کُود گیا۔ ایک سپاہی نے اس کو دریا سے نکال کر قتل کر دیا اور پھر اُس کے تخت پر کھڑے ہو کر اعلان کیا:

"ربِ کعبہ کی قسم! میں نے رُستم کو قتل کر دیا ہے۔"

ایرانیوں نے یہ سُنا تو اُن کے چھکّے چھوٹ گئے اور وہ بدحواسی کے عالم میں دریا عبُور کرنے کے لیے بھاگے۔ دریا کا بند کمزور تھا۔ سپاہیوں کے بوجھ سے بیٹھ گیا اور ان کے ہزاروں سپاہی اپنی اپنی زِرہوں سمیت دریا میں غرق ہو گئے۔ قادسیہ کی جنگ تین دن اور ایک رات جاری رہی اور اس میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو شاندار فتح عطا فرمائی۔ اس جنگ میں اگرچہ مسلمانوں کا بھاری نقصان ہُوا اور تقریباً چھ ہزار سپاہی شہید ہوئے لیکن اس کے مقابلے میں ایرانی لشکر کا بہت زیادہ نقصان ہُوا۔

قادسیہ کی جنگ مسلمانوں کے لیے بڑی اہمیّت رکھتی تھی۔ اُس کے بعد عراق اسلامی مملکت میں شامل ہو گیا اور ایران میں اسلام کی سربلندی کے لیے راستہ ہموار ہو گیا۔ پھر رفتہ رفتہ عرب و عجم کا امتیاز ایسا مٹا کہ عرب اور ایرانی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بھائی بھائی بن گئے اور عراق اور ایران کے

دو بڑے شہر بغداد اور شیراز اسلامی حکومت کے دو بڑے مرکز قرار پائے۔

مشقیں

۱۔ جواب دیجیے:

(i) حضرت سعدؓ جنگ کس مقصد کے لیے لڑ رہے تھے؟

(ii) حضرت سعدؓ نے یزدگرد کے پاس اپنا وفد کیوں بھیجا تھا؟

(iii) حضرت سعدؓ نے یزدگرد کے دیے ہوئے مٹی کے ٹوکرے کو دیکھ کر کیا کہا؟

(iv) رُستم نے تیسرے دن اپنے ہاتھی لڑائی کے میدان میں بھیجے تو مسلمانوں نے انھیں کس طرح بھگایا؟

(v) قادسیہ کی جنگ مسلمانوں کے لیے کس لحاظ سے اہمیّت رکھتی ہے؟

۲۔ سبق میں آنے والے معرفہ اور نکرہ اسموں کو چُن کر اپنی کاپی میں لکھیے۔

۳۔ مندرجہ ذیل جُملوں کو دی ہُوئی ہدایات کے مطابق تبدیل کیجیے:

(i) یہ راستہ ہموار ہے (سوالیہ فقرہ بنائیے)

(ii) رُستم بھاگ کر دریا میں کود گیا (منفی فقرہ بنائیے)

(iii) فوجیں رات کو حملہ نہیں کرتی تھیں (مثبت جُملہ بنائیے)۔

(iv) جنگ رات گئے تک جاری رہی (سوالیہ جملہ بنائیے)۔

(v) کیا آپ نے مجھے پہچان لیا ہے (سادہ مثبت جملہ بنائیے)

۴۱- تحریکِ پاکستان اور طلبہ

۱۴ اگست کا دن تھا- پورے ملک میں یومِ آزادی نہایت جوش و خروش کے ساتھ منایا جا رہا تھا- جگہ جگہ تقریبات منعقد ہو رہی تھیں- جلوس نکالے جا رہے تھے- بچے، بوڑھے، جوان سب یومِ آزادی کی مسرتوں سے سرشار نظر آتے تھے- ہماری جماعت کے طلبہ نے بھی مختلف پروگراموں میں حصہ لیا اور پھر مینارِ پاکستان کی سیر کا پروگرام بنایا- ہمارے معاشرتی علوم کے استاد ہمارے ساتھ تھے- ہم مینار کے پاس پہنچے تو ایسا لگتا تھا گویا میلہ لگا ہوا ہے- ہر طرف گھما گھمی اور چہل پہل تھی- پورے پارک میں بھیڑ تھی، لیکن مینار کے اردگرد خاص طور پر ہجوم تھا- ان میں زیادہ تعداد طلبہ کی تھی جو بڑے شوق اور جذبے کے ساتھ مینارِ پاکستان پر کندہ ان اقتباسات کو پڑھنے میں مصروف تھے جو قائدِ اعظمؒ کی تقاریر سے لیے گئے تھے- ہم بھی بڑے شوق سے ان تحریروں کو پڑھ رہے تھے- تقریروں کے ہر لفظ میں جوش اور ولولہ تھا- اور یہ جوش اور ولولہ ہماری رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا- اب تک ماسٹر صاحب خاموش تھے، انھوں نے ہمارا جوش دیکھا تو کہنے لگے:

"میرے لیے یہ بات بڑی مسرت کی ہے کہ ہماری قوم کے نونہال یومِ آزادی مناتے ہوئے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہے ہیں- اسی جوش و خروش نے قیامِ پاکستان میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا- اسی لیے جب میں اپنے نونہالوں میں ملک اور قوم کی خدمت کا جذبہ دیکھتا ہوں تو مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے- اصل میں یہی نونہال اور طالب علم ہماری قوم کا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں- ملک اور قوم کے مستقبل کی باگ ڈور انھیں کے ہاتھ میں ہے- میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا ہر بچہ قوم کے مستقبل کا امین ہے- بچوں کے سنوارنے سے ساری قوم سنور جاتی ہے- جس قوم کے بچے اپنے فرائض کا احساس رکھتے ہیں، وہ قوم ضرور ترقی کرتی ہے-"

ایک طالب علم نے کہا: "جناب! ہم نے پڑھا ہے کہ قائدِ اعظمؒ طلبہ کو بہت اہمیت دیتے تھے اور طالب علموں نے تحریکِ پاکستان کے دوران میں بڑی خدمات انجام دی ہیں- آپ مہربانی کر کے اس کے متعلق کچھ بتایئے-"

ماسٹر صاحب نے کہا: "بیٹا! یہ حقیقت ہے کہ قائدِ اعظمؒ طلبہ سے بہت محبت کرتے تھے- وہ طلبہ کو قوم کا سب سے قیمتی سرمایہ سمجھتے تھے- وہ اکثر علی گڑھ جایا کرتے تھے جو مسلمانوں کا بہت بڑا تعلیمی مرکز تھا- وہ طلبہ کو ان کے فرائض اور ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے تھے- انھیں ذمہ داریوں

کا احساس کر کے طالب علموں نے قائد اعظمؒ کے پیغام کو ملک کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔ ۱۹۳۷ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے چند پُرجوش طلبہ کی کوششوں سے پنجاب مُسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن قائم ہُوئی۔ مولانا ظفر علی خانؒ، علامہ اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ نے فیڈریشن کے قیام پر مبارک باد اور حوصلہ افزائی کے پیغامات بھیجے۔ آگے چل کر پنجاب کے پُورے علاقے میں اسی فیڈریشن نے تحریکِ پاکستان کے لیے بڑا کام کیا۔ تُم قراردادِ پاکستان سے واقف ہو۔ اسی فیڈریشن نے پاکستان کانفرنس کے نام سے قراردادِ پاکستان کے متعلق مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ یکم مارچ ۱۹۴۱ء کو لاہور میں منعقد کیا۔ یہ کانفرنس قائدِ اعظمؒ کی صدارت میں ہوئی تھی اور انھوں نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے یہ تاریخی الفاظ کہے تھے۔ "یہ عجیب اتّفاق ہے کہ قراردادِ پاکستان بھی اس شہر میں ۲۳۔ مارچ کو منظور ہُوئی تھی اور آج آپ کی کانفرنس بھی مارچ ہی میں منعقد ہو رہی ہے۔ میں آپ سے کہوں گا "مارچ آن" یعنی بڑھے چلو۔"

چنانچہ طلبہ نے اس آواز پر لبّیک کہتے ہوئے دُور دراز کے علاقوں تک پاکستان کا پیغام پہنچایا۔

طالب علم: جناب! کیا ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بھی طلبہ نے تحریکِ پاکستان کے لیے کام کیا؟

ماسٹر صاحب: ہاں کیوں نہیں، میں نے آپ کو بتایا ہے کہ قائدِ اعظمؒ اکثر علی گڑھ جایا کرتے تھے تاکہ طلبہ کو اُن کے فرائض اور ذمّہ داریوں سے آگاہ کریں۔ چنانچہ ۱۹۳۷ء میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا پہلا اجلاس اسی سال کلکتے میں قائدِ اعظمؒ کی صدارت میں مُنعقد ہوا۔ قائدِ اعظمؒ نے اس موقع پر فرمایا تھا:

"نئی پود کے نوجوان نہایت قابلِ تعریف ہیں۔ تم میں سے کئی نوجوان آگے چل کر جناح بنیں گے اور مجھے یقین ہے کہ قوم کا مستقبل تمھارے ہاتھوں میں محفوظ رہے گا۔"

تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں طلبہ نے جو خدمات انجام دی تھیں، اُن کے متعلق دیر تک ماسٹر صاحب بہت سی باتیں بتاتے رہے۔ اس کے بعد ہم سب اقبال پارک میں گھومتے بادشاہی مسجد کی طرف روانہ ہُوئے۔ اس وقت ہم نے دیکھا کہ مینارِ پاکستان اور دُوسری طرف بادشاہی مسجد کے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے مینار ایک عجیب ایمان افروز اور رُوح پرور نظارہ پیش کر رہے ہیں۔ بادشاہی مسجد کی سیر کے بعد ہم عجائب گھر پہنچے۔ وہاں ہم نے بہت سی ایسی چیزیں دیکھیں جو اس سے پہلے نہیں دیکھی تھیں۔ عجائب گھر میں ایک طرف تحریکِ پاکستان کی آرٹ گیلری بنائی گئی ہے۔ جب ہم اس گیلری میں داخل ہوئے تو ہم نے بہت سی نادر تصویریں دیکھیں۔ تصاویر کے آئینے میں تحریکِ پاکستان کے مختلف مناظر بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیے گئے تھے۔ ہم نے کئی

مقامات پر دیکھا کہ قائدِ اعظمؒ طلبہ کے درمیان بیٹھے ہیں اور اُن کا چہرہ جوش اور مسرت سے چمک رہا تھا۔

گیلری میں گھومتے گھومتے ہم ایک خاص تصویر کے پاس پہنچے۔ ماسٹر صاحب یہاں پہنچ کر رُک گئے۔ اُنھوں نے ہمیں مخاطب کر کے کہا: "یہ چودھری رحمت علی کی تصویر ہے۔ یہ تحریکِ پاکستان کے دنوں میں انگلستان میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اُنھوں نے ایک کتاب بھی لکھی تھی جس میں پنجاب، سرحد، کشمیر، سندھ اور بلوچستان کے علاقے پر مشتمل آزاد اسلامی مملکت کی تجویز پیش کی تھی اور اس کا نام پاکستان تجویز کیا تھا۔



طالب علم: جناب! قائدِ اعظمؒ کے ساتھ طالب علموں کی یہ ایک اور تصویر ہے، اس کے متعلق بھی ہمیں کچھ بتائیے۔

ماسٹر صاحب: بیٹا! ۱۹۴۵ء اور ۱۹۴۶ء میں مرکزی اور صوبائی انتخابات میں طلبہ نے اپنے قیمتی وقت کی قربانی دیتے ہوئے جوش و خروش کے ساتھ حصہ لیا اور انھیں کی زبردست کوششوں سے انتخابات میں مسلم لیگ کو بے مثال کامیابی حاصل ہوئی۔ انتخابات کے بعد قائدِ اعظمؒ لاہور آئے تو اُنھوں نے ایک اجتماع میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"طلبہ میرے قابلِ اعتماد کارکن ہیں۔ تحریکِ پاکستان میں اُنھوں نے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ طلبہ نے قوم کی تقدیر بدل ڈالی ہے۔" یہ تصویر اسی موقع کی یاد دلاتی ہے۔

طالب علم: جناب! یہ ایک اور تصویر ہے جو میں نے کہیں پہلے بھی دیکھی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک شہید طالب علم کی تصویر ہے یہ کیسے شہید ہُوا؟

ماسٹر صاحب: اس کا قصہ یوں ہے کہ الیکشن میں مسلم لیگ کی کامیابی کے باوجود محض سازشوں کی وجہ سے پنجاب میں مسلم لیگی وزارت نہ بن سکی۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر طلبہ میدانِ عمل میں کود پڑے۔ انہیں دنوں اسلامیہ کالج لاہور کے ایک طالب علم محمد مالک کو ہندوؤں نے حملہ کر کے شہید کر دیا۔ یہ تصویر اسی محمد مالک کی ہے۔ اس طرح طلبہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ تحریکِ پاکستان کا اوّلین شہید ایک طالب علم تھا۔ یہ تصویر اسی شہید کی یادگار ہے۔

طالب علم: جناب! اس جگہ ایک اور تصویر ہے۔ اس کے متعلق بھی کچھ بتایئے۔

ماسٹر صاحب: جنوری ۱۹۴۷ء میں پنجاب میں سول نافرمانی کی تحریک زوروں پر تھی۔ طلبہ نے اس تحریک میں بھرپور حصّہ لیا۔ ہزارہا طالب علم قید ہوئے۔ یہ تحریک پورے ایک مہینے تک جاری رہی اس وقت کی حکومت نے اس تحریک کو کچلنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، لیکن آخرکار طلبہ فتح یاب ہوئے یہ تصویر اس دور کی یاد دلاتی ہے۔

طالب علم: یہ صوبہ سرحد کے طلبہ کی ایک تصویر ہے۔ کچھ اس کی بھی وضاحت فرمایئے گا۔

ماسٹر صاحب: صوبہ سرحد کے لوگوں سے جب یہ پوچھا گیا کہ وہ پاکستان میں شریک ہونا چاہتے ہیں یا نہیں، تو مسلم فیڈریشن کے کارکنوں نے سرحد کے طول و عرض میں پاکستان کے حق میں زبردست تحریک چلائی۔ اس تحریک کے نتیجے میں مسلم لیگ کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ یہ تصویر اسی دور سے متعلق ہے۔

طالب علم: جناب! ہم آپ کے بہت ممنون ہیں کہ آپ نے نہایت تفصیل کے ساتھ تحریکِ پاکستان میں طلبہ کے کردار کے متعلق ہمیں اتنی باتیں بتائیں۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان کے موجودہ حالات میں طلبہ کے فرائض اور ذمّہ داریوں کے متعلق بھی ہمیں کچھ بتائیں تاکہ ہم اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھال سکیں۔

ماسٹر صاحب: بیٹا! یہ بہت اہم مسئلہ ہے۔ آزادی حاصل کرنا ایک مشکل کام ہے، لیکن آزادی کی حفاظت اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ پورا عالمِ اسلام پاکستان کو اسلام کا ایک قلعہ سمجھتا ہے۔ ان حالات میں طلبہ پر بھاری ذمّہ داری عاید ہوتی ہے۔ انہیں ایک طرف تو پوری دلجمعی اور محنت کے ساتھ حصولِ تعلیم پر توجّہ دینا چاہیے اور دوسری طرف اسلامی کردار کی ایسی خصوصیات اپنے اندر پیدا کرنا چاہییں کہ ان کے عمل سے پاکستان واقعی ایک قلعے کی طرح مضبوط ہو جائے۔ طلبہ کو ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیّار رہنا چاہیے۔ اگر ہمارے نوجوان اپنی ذمّہ داریوں کو اچھی طرح سمجھ لیں تو

پاکستان بہت مختصر عرصے میں ایک زبردست قوت بن سکتا ہے۔"

شام ہو چکی تھی۔ ہم سب اپنے دلوں میں ایک نیا جذبہ اور ولولہ لے کر اپنے اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔

مشقیں

۱۔ جواب دیجیے:

(i) ۱۴ اگست کو سب لوگ خوشیاں کیوں منا رہے تھے؟

(ii) ماسٹر صاحب نے طالب علموں کا جوش و خروش دیکھا تو کیا کہا؟

(iii) طالب علم کے لیے پڑھنے کے علاوہ اور کیا کام ضروری ہے؟

(iv) قائدِاعظمؒ طلبہ کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے؟

(v) مسلم لیگ نے انتخابات میں جو کامیابی حاصل کی تھی اس میں طالب علموں کا کیا ہاتھ تھا؟

۲۔ خالی جگہوں کو پُر کر کے جملے مکمل کیجیے:

(i) یومِ آزادی نہایت ــــــ سے منایا جا رہا تھا۔

(ii) ہر شخص آزادی کی ــــــ سے سرشار تھا۔

(iii) مینارِ پاکستان کے اِردگرد خوب ــــــ تھی۔

(iv) جوش اور ولولہ ہماری رگ و پے میں ــــــ کر رہا تھا۔

۳۔ ذیل کے لفظوں میں سے "فعل" چُن کر الگ لکھیے:

تقاریر - ادا کیا - آزادی - مسرّتیں - پروگرام بنایا - مظاہرہ کیا - کردار - عمل - نظارہ۔

۴۔ تقاریر۔ اقتباسات - طلبہ - فرائض - حالات - خدمات - مناظر کے واحد بتایئے۔

۵۔ احمد کل اکرم کے گھر گیا۔ احمد نے اکرم کی والدہ سے پُوچھا کہ اکرم کہاں ہے۔ اکرم کی والدہ نے احمد کو جواب دیا کہ اکرم اکرم کے والد کے دفتر گیا ہے۔ احمد نے اکرم کی والدہ سے پُوچھا کہ اکرم، اکرم کے والد کے دفتر سے کب واپس آئے گا۔ اکرم کی والدہ نے احمد کو بتایا کہ اکرم، اکرم کے والد کے دفتر سے شام کو واپس آئے گا۔

اُوپر کی عبارت میں جہاں جہاں ضرورت ہو اسم کی جگہ ضمیر لگا کر عبارت کو بدلیے۔

۴۲۔ عِلم کی فضیلت

عِلم سے روشن ہوئے ہیں آفتاب و ماہتاب — عِلم کے دم سے ترنّم ساز ہیں چنگ و رباب
عِلم ہی نے بیٹھ کر لکھی ہے قُدرت کی کتاب — عِلم ہی نے کر دیا تصدیق تاروں کا حساب
عِلم کی طاقت سے اُڑتے اور چلتے ہیں جہاز
ڈوبتے ہیں ڈوب کر اکثر نکلتے ہیں جہاز

عِلم سیکھو کچھ تمھیں انسان بننا ہے اگر — شاہِ عالی جاہ کا دیوان بننا ہے اگر
دہر میں ذی مرتبہ، ذی شان بننا ہے اگر — ذی حشم ذی منزلت سُلطان بننا ہے اگر
درحقیقت ہے تو ہے مقصد براری عِلم سے
ہے جو کچھ عزّت وہ ہے عزّت تمھاری عِلم سے

عِلم ہے شمع شبستاں عِلم ہے گھر کا چراغ — عِلم کے انوار سے روشن ہیں فانوسِ دماغ
عِلم کی بادِ سحر کرتی ہے دِل کو باغ باغ — عِلم کا تُم سے جہاں تک ہو سکے ڈھونڈو سُراغ
عِلم وہ دولت ہے جس کو چور کا کھٹکا نہیں
ڈاکوؤں کا ڈر نہیں، شہ زور کا کھٹکا نہیں

عِلم ہی روحِ رواں ہے اس میں کوئی شک نہیں — عِلم ہی طبعِ جواں ہے، اس میں کوئی شک نہیں
عِلم ہی حُسنِ بیاں ہے اس میں کوئی شک نہیں — عِلم ہی نطقِ زباں ہے، اس میں کوئی شک نہیں
اے خلیقِ زار جب تک عِلم میں کامل نہ ہو
رات دن محنت کرو، محنت کرو غافل نہ ہو

(عبد الخالق خلیقؔ دہلوی)

مشق

۱۔ جواب دیجیے:

(۱) پہلے بند میں عِلم کی کون کون سی خوبیاں بیان کی گئی ہیں؟

(ii) تیسرے بند میں علم کی مثال کن کن چیزوں سے دی گئی ہے ؟

(iii) ایسی نظم کو جس میں تین تین شعروں کو ملا کر ایک بند بنایا گیا ہو" مسدّس" کہتے ہیں، کیا آپ کی کتاب میں اور بھی کوئی " مسدّس" شامل ہے ؟

۲۔ آخری بند کا مطلب اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔

۳۔ اپنے جملوں میں استعمال کیجیے :

آفتاب و ماہتاب ۔ ذی شان ۔ مقصد برآری ۔ باغ باغ کرنا ۔ کھٹکا ہونا ۔ کامل ہونا۔

۴۔ ان کے معنی اپنی کاپی میں لکھیے :

نغمہ سنج ساز ۔ چنگ و رباب ۔ عالی جاہ ۔ ذی منزلت ۔ شمع شبستاں ۔ گھر کا چراغ ۔ انوار ۔ فانوسِ دماغ ۔ شہ زور ۔ رُوحِ رواں ۔ نُطق زباں ۔

۴۳۔ مصر

مصر کی تہذیب اپنی تاریخ کے اعتبار سے بہت قدیم ہے۔ مصری تہذیب جو دریائے نیل کے دونوں کناروں پر اب سے چھ ہزار سال قبل پھلی پھولی، وہ آج بھی موجود ہے۔ مصر کو دریائے نیل کا عطیہ کہا گیا ہے کیونکہ یہی دریا پورے مُلک کی خوش حالی کا باعث ہے۔ دریائے نیل اپنی اسی رفتار سے صدیوں سے بہتا چلا آرہا ہے۔ اس پر آج بھی وہی جوبن ہے جو پہلے تھا۔ وہ اب بھی اپنے مناسب وقت پر جوش میں آتا ہے اور اپنی طغیانیوں سے مصر کی سرزمین کو سرسبز و شاداب بناتا رہتا ہے۔ دُنیا کا عظیم ترین اسوان بند اسی پر تعمیر ہُوا ہے، جس کی مدد سے مُلک میں نہروں کا جال بچھ گیا ہے اور بجلی مُلک کے کونے کونے میں پہنچ گئی ہے۔

قدیم فنِ تعمیر کے جس قدر عُمدہ نمونے ہمیں سرزمینِ مِصر میں ملتے ہیں، دُنیا میں اور کہیں نظر نہیں آتے۔ اہرامِ مِصر جن کا شمار دُنیا کے سات عجائبات میں ہوتا ہے، فن کے اعتبار سے بے نظیر ہیں۔ اہرام دراصل پتّھر کی بڑی بڑی سِلوں سے بنی ہُوئی وہ پُرشکوہ اور ہیبت ناک عمارات ہیں جن میں مصر کے قدیم بادشاہوں کی قبریں ہیں۔ یہ اہرام قاہرہ سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہیں اور ان میں سے سب سے بڑا ہرم جو "ہرمِ کبیر" کہلاتا ہے پتّھر کی کئی لاکھ سِلوں پر مشتمل ہے۔ ان سِلوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اُس دَور میں جب کہ پہاڑوں کو کاٹنے والے آلات موجود تھے نہ بھاری پتّھروں کو اٹھانے والی مشینیں، یہ ہزاروں کِوِنٹل وزنی سلیں لوگوں نے پہاڑوں سے کاٹ کاٹ کر یہاں تک کیسے پہنچائی ہوں گی۔ اندازہ ہے کہ صرف ہرمِ کبیر کی تعمیر پر ایک لاکھ مزدُور بیس برس تک روزانہ کام کرتے رہے ہوں گے۔

اہرام کے علاوہ "ابوالہول" مِصری فنِ تعمیر کا ایک اور عُمدہ نمونہ ہے۔ یہ ایک عجیب و غریب عمارت ہے جس کا سر انسان کا اور دھڑ ایک بیٹھے ہُوئے شیرِ ببر کا نمونہ ہے۔ گویا یہ عمارت اس بات کی علامت ہے کہ مِصری قوم دانا بھی ہے اور طاقتور بھی۔

قدیم مصر کی ایک حیرت انگیز ایجاد وہ مسالہ تھا جس کے ذریعے وہ انسانی لاشوں کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیتے تھے۔ مِصری بادشاہوں کی تین تین ہزار سال پُرانی لاشیں جنھیں ممیاں کہتے ہیں آج بھی جوں کی توں پڑی نظر آتی ہیں۔ نہ ان میں بد بُو ہے نہ جسم کا کوئی حِصّہ گلا سڑا ہے بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید یہ پُرشکوہ انسان شیشے کے تابوتوں میں لیٹے آرام کر رہے ہیں۔ اہرام کی دیواروں پر

مِصری مصوّروں کے بنائے ہُوئے تصویری خاکے ان کے فن کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

علم و فضل میں بھی مصری پیش پیش تھے۔ ریاضی، علمِ نجوم، علمِ طب سب میں ایک سے ایک بڑھ کر علما موجود تھے۔ دُنیا کو کیلنڈر انھوں نے دیا۔ زمین کا محیط اُنھوں نے بتایا اور زمین کے گول ہونے کا تصوّر بھی اُنھوں نے دیا۔ الف لیلہ کی کہانیاں اور بہت سی دوسری مشہور و معروف کتابیں بھی مِصر ہی کا تحفہ ہیں۔

اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ آج کے مِصر کی عظمت محض اس کی قدیم تہذیب ہی کے دم سے ہے۔ مِصر کا ماضی جس قدر عظیم تھا، اس کا حال بھی اتنا ہی شاندار ہے۔ دریائے نیل پر باندھا ہُوا اسوان بند اہرامِ مصر کی طرح انسانی محنت کی فتح کی علامت ہے۔ قاہرہ کے آزادی چوک کے چاروں طرف بنی ہُوئی بلند و بالا اور وسیع و عریض عمارات جو پندرہ پندرہ منزلوں اور تین تین ہزار کمروں پر مشتمل ہیں، جدید فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ قاہرہ شہر اب بھی عِلم کا مرکز ہے۔ وہاں کی چار اعلیٰ درجے کی یُونیورسٹیاں جن میں قدیم ترین یُونیورسٹی الازہر بھی شامل ہے، اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ مِصری اب پہلے سے بھی زیادہ عِلم کے دِلدادہ ہیں۔

مِصر ایک اسلامی ملک ہے اور قاہرہ اسلامی تہذیب کا مشہور مرکز۔ قاہرہ کو چار سو میناروں کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔ جدھر دیکھو ایک سے ایک بڑھ کر خُوب صُورت مسجد اور اُونچے سے اُونچا مینار دکھائی دیتا ہے۔ جامع مسجد سُلطان حسن کا مینار ۸۵ میٹر اُونچا ہے اور اس کا قریباً بیس میٹر بلند دروازہ اس مسجد کی عظمت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ اسی طرح ابنِ طرلون کی جامع مسجد اپنی خاص وضع کی محرابوں اور میناروں کے سبب سب سے الگ نظر آتی ہے۔

قاہرہ میں جدید اور قدیم دونوں تہذیبوں کے دھارے آکر ملتے ہیں۔ ایک طرف لکیر دار سُوتی کپڑے کے لمبے چغے پہنے اور سر پر گول ٹوپیاں رکھے مصری اپنے مکانوں کے باہر گلی میں خُوش گپیوں میں مصروف ہیں تو دُوسری طرف سُوٹ بُوٹ میں ملبوس لوگ قاہرہ کی کشادہ سڑکوں پر ٹہلتے نظر آتے ہیں۔ قدیم وجدید تہذیب کا یہی ملاپ خواتین میں بھی مِلتا ہے بلکہ مصریوں کی پُوری زندگی میں کارفرما ہے۔

قاہرہ کے علاوہ سکندریہ اور پورٹ سعید مصر کے مشہور شہر ہیں۔ سکندریہ، قاہرہ کی طرح قدیم بھی ہے اور جدید بھی۔ قدیم اس لیے کہ اِسے سکندرِ اعظم نے آباد کیا تھا، اور یہاں یُونانی تہذیب کے آثار اب بھی موجود ہیں اور جدید یُوں کہ اس کا ماحول یورپ کی جدید بندرگاہوں سے مِلتا

ہے۔ گرمیوں میں سیر و سیاحت کے شوقین ہزاروں کی تعداد میں یہاں آتے اور کشتی رانی اور مچھلی کے شکار ایسے محبوب مشغلوں سے اپنا جی بہلاتے ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا خوشگوار، موسم پُر لطف، بازار بارونق اور تفریح گاہیں نہایت دلکش ہیں۔

پیشے کے اعتبار سے مِصری زیادہ تر کاشتکار ہیں۔ مصر کی کل آبادی میں سے جو تین کروڑ سے زائد ہے، پچھتر فیصد باشندوں کا انحصار زراعت پر ہے کاشتکار دیہاتیوں کے مکان مختصر، سادہ اور کچی اینٹوں کے بنے ہوتے ہیں۔ ان کے دیہات اور ہمارے دیہات میں زیادہ فرق نہیں۔ وہاں کے کپاس، مکئی اور گنّے کے لہلہاتے کھیت وہی بہار دیتے ہیں جو ہمارے ہاں نظر آتی ہے۔ وہاں کے کسان اسی طرح صبح سویرے اپنے کھیتوں میں ہل چلانے کے لیے چلے جاتے ہیں اور ان کی بیبیاں ہماری عورتوں کی طرح دن کی تپتی دوپہر میں اپنے مَردوں کو کھانا پہنچاتی ہیں۔ وہاں دیہاتی عورتیں پردہ نہیں کرتیں اور جفاکشی میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ ہل وہ چلاتی ہیں، فصل وہ کاٹتی ہیں اور مردوں کے شانہ بہ شانہ کھیتوں میں کام کرتی ہیں۔ ان کے کاشت کے طریقے بھی ہم سے مِلتے جُلتے ہیں۔ ایک طرف ٹریکٹر چل رہے ہیں تو دُوسری طرف بیلوں کو ہل میں جوتا جا رہا ہے۔ آب پاشی کے لیے وہاں نہریں بھی ہیں اور رہٹ بھی ڈھینکلیاں بھی ہیں اور ٹیوب ویل بھی۔

مِصر صنعت و حرفت میں بھی ترقّی کر رہا ہے۔ مِصریوں نے اپنی عُمدہ درجے کی کپاس کو کام میں لانے کے لیے کپڑے کے بہت سے کارخانے قائم کر رکھے ہیں۔ اُونی اور ریشمی کپڑے کے کارخانے ان سے الگ ہیں۔ فولاد، کیمیائی کھاد، شکر اور سیمنٹ بنانے کے کارخانے بھی موجود ہیں۔ مصر میں مٹّی کا تیل بھی موجود ہے جو یہاں کی ضروریات کو کسی حد تک پُورا کرتا ہے۔

مِصری بچّوں کو علِم حاصل کرنے کا بہت شوق ہے۔ ابتدائی تعلیم مُفت ہے۔ گندم کی روٹی، مکئی کے بھٹے، پنیر اور پھَل ان کی مرغوب خوراک ہے۔ کھجُور، سنگترا، لیموں، انگور، انار اور خربوزے یہاں کثرت سے ہوتے ہیں اور لوگ خُوش ہو کر کھاتے ہیں۔

مصر میں مُسلمانوں کی اکثریت ہے۔ یہاں کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ اسلامی تعلیم کا یہاں بہت چرچا ہے۔ جامعہ الازہر دُنیا میں اسلامی تعلیمات کی سب سے قدیم یُونیورسٹی ہے۔ اس مُلک میں عیسائی بھی بستے ہیں لیکن ان کی کُل تعداد دس فی صد سے زیادہ نہیں۔ مِصر کے لوگ بڑے قد آور، حسین اور تنومند ہوتے ہیں۔ نہر سویز مصر اور دُنیا کے دوسرے مُلکوں کے لیے بڑی اہمیّت رکھتی ہے۔ یہ نہر فرانس اور مِصر کے باہمی تعاون سے آج سے کوئی ایک سو سال قبل دس برس کی مُدّت میں

مکمّل ہُوئی تھی۔ یہ دو سمندروں یعنی بحیرۂ روم اور بحیرۂ قُلزم کو آپس میں ملاتی ہے۔ اس نہر میں بڑے بڑے جہاز چلتے ہیں جن کے ذریعے یورپ اور مشرقی ممالک کے درمیان وسیع پیمانے پر تجارت ہوتی ہے۔ اس نہر کی بدولت سفر کا فاصلہ بہت کم ہوگیا ہے۔ وقت کم لگتا ہے اور کرائے میں بچت ہوتی ہے۔ یہ نہر مصریوں کے لیے ذریعۂ آمدنی بھی ہے کیونکہ کوئی جہاز یہاں سے مِصری حکومت کو ٹیکس دیے بغیر نہیں گزر سکتا۔

مِصر پاکستان کا دوست مُلک ہے۔ دونوں مُلکوں کے باشندے اسلام کے رشتے کی وجہ سے ایک دُوسرے کے بھائی ہیں۔ دونوں کا نصب العین ایک ہے یعنی اسلام کی سربلندی اور اسلامی ملکوں کا اتحاد۔ اس نصب العین کے حصُول کے لیے دونوں مُلک کوشاں ہیں اور ایک دُوسرے سے تعاون کر رہے ہیں۔ اسلامی سربراہی کانفرنس جو ۱۹۷۴ء میں لاہور میں منعقد ہُوئی اسی مقصد کے حصُول کی طرف ایک قدم تھا۔ اس کانفرنس میں مصر کے صدر بھی شریک ہوئے تھے۔

مشقیں

۱۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی لکھیے:
ہیبت ناک، تنومند، وسیع و عریض، بیّن ثبوت، آثار، قد آور، نصب العین۔

۲۔ مندرجہ ذیل کو اپنے جُملوں میں استعمال کیجیے:
پُر شکوہ۔ پیش پیش۔ مُنہ بولتا۔ جیتا جاگتا۔ لہلہاتے ہُوئے۔

۳۔ مندرجہ ذیل سوالات کا جواب دیجیے۔ (i) مِصر کو اسوان بند سے کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟
(ii) اہرام سے کیا مراد ہے؟ (iii) "ابوالہول" کسے کہتے ہیں؟
(iv) ممی سے کیا مراد ہے؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔ (v) مصریوں نے علمی دُنیا میں کیا اضافے کیے؟
(vi) قاہرہ اور سکندریہ میں کیا فرق ہے؟ (vii) نہر سویز کون سے دو سمندروں کو ملاتی ہے؟
(viii) نہر سویز سے مِصر کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟
(ix) مصر اور پاکستان کس نصب العین کے لیے کام کر رہے ہیں؟
(x) مصر کے لوگوں کی خصوصیات بیان کیجیے۔

۴۔ مندرجہ ذیل کو قواعد میں کیا کہیں گے:
مصر۔ قدیم۔ دریائے نیل۔ سرسبز و شاداب۔ جال۔ قاہرہ۔ ببر شیر۔ عمارت۔ ہیبت ناک۔ کتابیں
سکندریہ۔ وُہ۔ گول۔ مکئی۔ یونیورسٹی۔ فراش۔ تنومند۔ انھوں۔ ملک۔

شیخ سعدیؒ اور اُن کی حکایتیں

شیخ سعدی فارسی کے نامور شاعر اور نثر نگار ہیں۔ اُن کے انتقال کو سات سو برس کے قریب گزر چکے ہیں لیکن اُن کا نام اب بھی زندہ ہے۔ فارسی کا کوئی طالب علم ایسا نہیں ہوگا جس نے اُن کا نام نہ سُنا ہو اور اُن کی کتابوں کے نام نہ جانتا ہو۔ گلستاں اور بوستاں اُن کی دو کتابیں ہیں، جن کی وجہ سے اُن کی شہرت ہوئی۔ دونوں کتابیں حکایتوں کے مجموعے ہیں۔ گلستاں نثر میں حکایتوں کی کتاب ہے اور بوستاں منظوم حکایتوں کی۔

سعدی ایک خوش حال گھرانے میں پیدا ہُوئے۔ گھر میں دینداری کا ماحول تھا، اس لیے ان کی طبیعت شروع ہی سے عبادت کی طرف مائل تھی۔ عبادت کے لیے شب بیداری کرتے اور پابندی سے تہجد کی نماز پڑھتے۔ دین و مذہب کی طرح خاندان میں علم و فضل کا چرچا بھی تھا، اس لیے بچپن ہی سے حصولِ علم کو انہوں نے اپنا مشغلہ بنا لیا اور کم عمری ہی میں علم و فضل کی بہت سی منزلیں طے کر لیں۔ اُن دِنوں بغداد درس و تدریس کا بہت بڑا مرکز تھا۔ سعدی نے اپنے وطن میں تعلیم کی تکمیل کر لی تو علم کی پیاس اُنہیں بغداد لے گئی۔ بغداد میں اپنی تعلیم مکمّل کر لینے کے بعد سیر و سیاحت میں مشغول ہو گئے اور بیس پچیس سال سیر و سفر میں گزرے۔ سیر و سیاحت کے دوران میں جو کچھ ان کے تجربے اور مشاہدے میں آیا اسے حکایتوں کی صورت میں قلم بند کر دیا۔

اِن دونوں کتابوں کا ترجمہ دُنیا کی اکثر زبانوں میں ہو چکا ہے۔ خاص کر گُلستان کا شمار تو دُنیا کی منتخب کتابوں میں ہوتا ہے۔ گلستان کو سعدی نے آٹھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ ہر باب میں ایک الگ عنوان کے تحت واقعات کو کہانیوں کی صُورت میں پیش کیا ہے۔ ہر کہانی میں کوئی نہ کوئی اخلاقی سبق ہے۔ اخلاق کی باتیں ایسے دلکش انداز میں لکھی گئی ہیں کہ بار بار پڑھ کر بھی طبیعت سیر نہیں ہوتی۔

تین حکایتیں حاتم طائی کے متعلّق ہیں جس کے نام نے سخاوت میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ ایک حکایت یُوں ہے:

حاتم کی سخاوت کی شہرت دُور دُور تک پھیلی ہُوئی تھی۔ روم کے بادشاہ نے اُس کی شہرت سُنی تو دل میں خیال پیدا ہُوا کہ اس کا امتحان لینا چاہیے۔ حاتم کے پاس ایک صبا رفتار گھوڑا تھا اور حاتم اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔ سُلطانِ روم نے سوچا کہ وہ گھوڑا حاتم سے مانگنا چاہیے۔ چنانچہ اُس نے چند سفیر اس مقصد کے لیے حاتم کے پاس بھیجے۔ سُلطان کے سفیر حاتم کے گھر پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ موسم بھی اچھا نہیں تھا،

بادل چھائے ہوئے تھے اور بارش ہو رہی تھی۔ سفیر حاتم کے گھر پہنچے تو اُس نے خوش ہو کر مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ قیام کا معقول انتظام کیا۔ اُن کے لیے کھانا پکوایا اور سامنے بیٹھ کر انھیں کھلایا۔ یہ سوچ کر کہ مہمان دُور دراز کا سفر طے کر کے آئے ہیں، اُن سے کہا کہ اب آپ آرام کیجیے۔ مہمانوں کو شب بخیر کہہ کر حاتم چلا گیا۔

صبح ہُوئی تو حاتم مہمانوں کے پاس آیا۔ باتیں شروع ہوئیں تو سفیروں نے آنے کا مقصد بیان کیا۔ اُنھوں نے کہا کہ سُلطان نے آپ کی سخاوت کا شہرہ سُن رکھا ہے۔ وہ آپ سے دوستی کا آرزومند ہے اور ہمارے ذریعے سے ایک التجا آپ کی خدمت میں بھیجی ہے۔ حاتم نے پُوچھا کہ بتایئے سُلطان نے کس چیز کی خواہش کی ہے۔ سفیروں نے کہا کہ سُلطان نے آپ کا گھوڑا تحفتاً مانگا ہے۔

حاتم نے سفیروں کی بات سُنی تو سر جُھکا لیا۔ سفیر سمجھے کہ حاتم کو اپنا گھوڑا بہت عزیز ہے اس لیے وہ سُلطان کی فرمائش پُوری کرنے سے ہچکچا رہا ہے۔ وہ حاتم سے کچھ کہنا چاہتے تھے کہ حاتم بول اُٹھا:

"عزیزو! اگر تُم سُلطان کی یہ فرمائش لے کر آئے تھے تو تُم نے آتے ہی اپنی بات مجھے کیوں نہ بتائی؟ کل شام جب تُم یہاں پہنچے ہو تو موسم کی خرابی کی وجہ سے میرے گلّے کا کوئی جانور یہاں نہ تھا۔ اصطبل میں صرف وہی گھوڑا تھا جس کا تم ذکر کر رہے ہو۔ تُم میرے مہمان تھے۔ تمھاری خاطر تواضع کرنا میرا فرض تھا اس لیے میں نے نوکروں کو حکم دیا کہ وہ اس گھوڑے کو ذبح کر کے کھانا تیّار کریں۔ نوکروں نے حکم کی تعمیل کی۔ اب میں مجبور ہوں کہ سُلطان کی فرمائش کا پُورا کرنا میرے اختیار میں نہ رہا۔"

سفیروں نے حاتم کی مہمان نوازی کی یہ کیفیت سُنی تو دَنگ رہ گئے۔ دل ہی دل میں حاتم کے اخلاق کی داد دیتے ہوئے رخصت ہوئے اور روم پہنچے۔ روم پہنچ کر سارے واقعے کی تفصیل اوّل تا آخر سُلطان کو سُنا دی۔ سُلطان نے سفیروں کی بات سُنی تو وہ بھی حیرت زدہ ہُوا۔ وہ شرمندہ تھا کہ حاتم جیسے جوانمرد کا امتحان لینے کا خیال اُس کے دل میں آیا۔

اسی طرح کا ایک قصّہ اور ہے۔ یمن میں ایک بادشاہ تھا۔ اُس کی سخاوت کا ڈنکا ہر طرف بجتا تھا۔ اُس کا حال یہ تھا کہ کوئی حاجت مند اس کے پاس آتا تو مایوس نہ جاتا۔ وہ ہر مانگنے والے کا سوال پُورا کرتا تھا۔ دینار اور درہم تقسیم کرنے میں اُس کا حال بالکل وہی تھا جو بادلوں کا ہوتا ہے کہ وہ اپنی بارش سے ہر ایک کو فیض پہنچاتے ہیں۔ اس بادشاہ نے حاتم کی سخاوت کا حال سُن رکھا تھا۔ وہ اس بات پر دل ہی دل میں حاتم سے جلتا تھا۔ اگر کوئی اس کے سامنے حاتم کی فیاضی کا ذکر کرتا تو اُسے سخت غصّہ آتا۔ اس کا خیال تھا کہ سخاوت میں حاتم اُس کی برابری نہیں کر سکتا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ شاہِ یمن نے ایک بہت بڑے جشن کا اہتمام کیا اور اس دن لوگوں پر انعام و اکرام کی بارش کردی۔ ہر شخص دربار سے مالا مال ہو کر گیا۔ جشن کے دوران میں کسی نے حاتم کا ذکر چھیڑ دیا اور اس کی سخاوت کی خوب بڑھ چڑھ کر تعریف کی۔ دوسروں نے اُس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ بادشاہ کو لوگوں کی باتیں سُن کر سخت غصّہ آیا۔ اُس نے سوچا کہ جب تک حاتم زندہ ہے کوئی میری سخاوت کی تعریف نہیں کرے گا۔ یہ سوچ کر اُس نے ایک معتمد سردار کو بُلایا اور اس سے رازداری کے ساتھ حُکم دیا کہ تم حاتم کے قبیلے میں جاؤ اور اُس کا سر کاٹ کر لے آؤ۔" سردار بادشاہ کا یہ حُکم پا کر اس مُشکل مُہم پر روانہ ہوگیا۔

منزل پر منزل طے کرتا ہُوا معتمد سردار حاتم کے شہر کے قریب پہنچا۔ اس وقت شام ہوچکی تھی۔ سردار کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کدھر جائے۔ اتنے میں اُس کی ملاقات ایک نوجوان سے ہوئی۔ نوجوان نے کہا کہ آپ مسافر ہیں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ میرے ساتھ چلیں اور مجھے میزبانی کا شرف بخشیں۔ سردار نے نوجوان کی دعوت قبول کرلی۔ وہ اس کے ساتھ گیا تو نوجوان نے اُس کی خوب خاطر تواضع کی۔ مہمان نوجوان کے اخلاق سے بہت متاثر ہُوا۔ اور صُبح کے وقت اُس سے جانے کی اجازت چاہی۔

نوجوان نے کہا کہ شاید مجھ سے خدمت میں کوئی کوتاہی ہوئی جو آپ اتنی جلدی جانا چاہتے ہیں۔ سردار بولا کہ "نہیں، یہ بات ہرگز نہیں۔ آپ نے تو اپنی خوش اخلاقی سے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔" اس پر نوجوان نے کہا کہ "میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمایئے مجھے وہ خدمت بجا لا کر بہت خوشی ہوگی۔ تم کس کام سے گھر سے نکلے ہو اور اب کہاں جانا چاہتے ہو؟ اگر مجھے غیر نہ سمجھو تو اپنے دل کی بات مجھے بتاؤ، شاید میں تمھاری کوئی خدمت کرسکوں۔"

سردار نے نوجوان کی باتیں سُنیں تو اُسے اپنا ہمراز بنا لیا اور اُسے اپنے آنے کا مقصد بتا دیا۔ اُس نے کہا کہ میرے بادشاہ نے مجھے حاتم کا سر لانے کے لیے بھیجا ہے۔ اگر اس کام میں میری مدد کرو تو زندگی بھر تمھارا احسان نہیں بھولوں گا۔" نوجوان نے اپنے مہمان کی بات سُنی تو خوشی سے اُس کا چہرہ دمکنے لگا۔ اُس نے مہمان سے کہا کہ "بھائی! تمھیں معلوم نہیں، میرا ہی نام حاتم ہے۔ تُم اپنی تلوار نکالو اور میرا سر اُڑا دو۔" یہ کہا اور گردن اُس کے سامنے جھکا دی۔

شاہِ یمن کے معتمد پر نوجوان کی مہمان نوازی کا بڑا اثر تھا۔ اُسے جب پتا چلا کہ وہ نوجوان حاتم طائی ہے اور بادشاہ کی خوشی کے لیے اپنا سر تک دینے پر بھی آمادہ ہے تو وہ اُس کا اور بھی گرویدہ ہوگیا۔ حاتم کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اُس سے اجازت لے کر یمن روانہ ہوگیا۔ وہ یمن پہنچا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہُوا تو

اُس نے صُورت دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ سردار نا کام واپس آیا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ "معلوم ہوتا ہے تیرا مقابلہ کسی زبردست دُشمن سے ہُوا اور تُو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہُوا۔" سردار نے کہا: "جہاں پناہ! میں ایسا بُزدل نہیں ہُوں کہ کوئی زبردست دُشمن مجھے شکست دے دیتا۔ آپ کے اقبال سے میں بہ یک وقت کئی دُشمنوں کا مقابلہ کر سکتا ہُوں، لیکن جس چیز نے مجھے شکست دی وہ حاتم کی جوانمردی ہے۔" یہ کہا اور اپنے سفر اور حاتم کی مہمان نوازی کا سارا حال سُنا دیا۔

شاہ یمن نے حاتم کی جوانمردی کا حال سُنا تو دل سے اُس کا قائل ہو گیا اور کہنے لگا کہ واقعی سخاوت اور جواں مردی حاتم پر ختم ہے۔ میں اس کی برابری نہیں کر سکتا۔

شیخ سعدی نے حاتم طائی کے متعلق ایک چھوٹی سی حکایت اور لکھی ہے۔ کسی نے حاتم طائی سے پُوچھا کہ کیا تمھیں کبھی کوئی ایسا شخص ملا ہے جو جواں مردی میں تُم سے بڑا ہو۔ حاتم نے جواب دیا کہ "ہاں! ایک دفعہ میں نے چالیس اُونٹ ذبح کرائے اور منادی کروا دی کہ جس کا جی چاہے میرے دسترخوان پر کھانا کھائے۔ منادی سُن کر بے شمار آدمی آئے اور سیر ہو کر گئے۔ اتّفاق سے اُسی دن میں کسی کام سے جنگل کی طرف گیا۔ وہاں دیکھا کہ ایک بوڑھا لکڑہارا لکڑیاں جمع کرتا پھر رہا ہے۔ میں لکڑہارے کے پاس گیا اور اُس سے کہا کہ بڑے میاں! کیا تم نے نہیں سُنا کہ آج حاتم کے ہاں عام دعوت ہے؟ آج کے دن لکڑیاں چُننے کی کیا ضرورت تھی، حاتم کے گھر جاتے اور سیر ہو کر کھانا کھاتے۔ بوڑھے نے میری بات سُنی تو سر اٹھا کر کہا کہ بھائی! مجھے حاتم کی مُنادی اور اس کی دعوت کا علم ہے، مگر جب تک میرے بازوؤں میں اللہ کی دی ہُوئی طاقت موجود ہے مجھے حاتم کا احسان اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کہا اور پھر لکڑیاں چُننے لگا۔ میرا خیال ہے کہ وہ بوڑھا جواں مردی میں مجھ سے بڑھ کر تھا۔"

مشقیں

۱۔ جواب دیجیے:

(۱) شیخ سعدی کے انتقال کو سات سو برس کے قریب گزر چکے ہیں پھر بھی ان کا نام زندہ ہے۔ اس کی کیا

وجہ ہے ؟

(ii) گلستاں اور بوستاں کے متعلق آپ کو جو کچھ معلوم ہے اُسے تین جملوں میں لکھیے۔

(iii) اس جملے کا مطلب لکھیے کہ "سعدی نے کم عمری ہی میں علم و فضل کی بہت سی منزلیں طے کرلیں۔"

(iv) گلستاں بوستاں کی مقبولیت کا اندازہ آپ کو کس بات سے ہوتا ہے ؟

(v) سعدی کی حکایتیں بار بار پڑھ کر بھی طبیعت سیر کیوں نہیں ہوتی ؟

(vi) حاتم نے سُلطانِ روم کے سفیروں کی بات سُنی تو سر کیوں جھکا لیا ؟

(vii) حاتم طائی کی جو تین حکایتیں آپ نے پڑھیں اُن میں سے آخری حکایت سے کیا سبق سیکھا ؟

۲۔ آپ نے سبق میں ایک لفظ "خُوش حال" پڑھا۔ یہ خُوش اور حال دو لفظوں سے مل کر بنا ہے۔ ایسے چار لفظ بتائیے جن کا پہلا لفظ 'خُوش' ہو اور دُوسرا کوئی اور لفظ۔

۳۔ ذیل کے جُملوں کو دیکھیے اور اُن میں مذکر اور مؤنث کی جو غلطیاں ہیں اُنھیں درست کیجیے :

(i) گھر میں دین داری کی ماحول تھی۔

(ii) گھر میں علم و فضل کی چرچا تھی۔

(iii) سفیروں نے آنے کی مقصد بیان کی۔

(iv) نوکروں نے حکم کا تعمیل کیا۔

(v) بوڑھے نے کہا مجھے اس کے دعوت کا علم ہے۔

۴۵۔ خِضر کا کام کروں، راہ نُما بن جاؤں

درد جس دل میں ہو اس دل کی دَوا بن جاؤں
کوئی بیمار اگر ہو تو شِفا بن جاؤں
دُکھ میں جلتے ہوئے لب کی میں دُعا بن جاؤں

اُف وہ آنکھیں کہ ہیں بینائی سے محروم کہیں
روشنی جن میں نہیں، نُور جن آنکھوں میں نہیں
میں ان آنکھوں کے لیے نُور و ضیا بن جاؤں

ہائے وہ دل جو تڑپتا ہُوا گھر سے نکلے
اُف وہ آنسو جو کسی دیدۂ تر سے نکلے
میں اس آنسو کے سُکھانے کو ہوا بن جاؤں

دُور منزل سے اگر راہ میں تھک جائے کوئی
جب مسافر کہیں رستے سے بھٹک جائے کوئی
خضر کا کام کروں، راہ نما بن جاؤں

عُمر کے بوجھ سے جو لوگ دبے جاتے ہیں
ناتوانی سے جو ہر روز جُھکے جاتے ہیں
اِن ضعیفوں کے سہارے کو عصا بن جاؤں

خدمتِ خلق کا ہر سمت میں چرچا کر دوں
مادرِ پاک کو جنّت کا نمونہ کر دوں
گھر کرے دل میں جو افسرؔ، وہ صدا بن جاؤں

(حامد اللہ افسر)

مشقیں

۱۔ مندرجہ ذیل مصرعوں اور شعروں کی نثر کیجیے:

(ا) پہلے بند کا پہلا شعر۔

(ii) دُوسرے بند کے دُوسرے اور تیسرے مصرعے کو مِلا کر۔

(iii) چوتھا بند

(iv) پانچواں بند

ذیل کے جُملوں میں مناسب لفظ لگا کر جُملے مکمّل کیجیے:

(i) جس دل میں درد ہو اُس کی ــــــ بن جاؤں۔

(ii) جن آنکھوں میں نُور نہیں ان آنکھوں کا ــــــ بن جاؤں۔

(iii) میں ضعیفوں کے سہارے کو ــــــ بن جاؤں۔

(iv) میں ہر سمت خدمتِ خلق کا ــــــ کر دوں۔

(v) میں مادرِ پاک کو ــــــ کا نمونہ کر دوں۔

۳۔ اس مصرعے کا مطلب سمجھا کر لکھیے:

گھر کرے دل میں جو اثر وہ صدا بن جاؤں۔

۴۔ اس نظم کو زبانی یاد کیجیے اور مل کر ترنّم کے ساتھ پڑھیے۔

۵۔ الفاظ ذیل کو اپنے جُملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ مذکّر ہیں یا مؤنّث۔

جنّت۔ مادر۔ گھر۔ صدا۔ خلق۔ عمر۔ منزل۔ آنکھ۔ لب۔ دُعا۔ آنسو۔ درد۔

تیار کردہ : پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور۔ منظور کردہ : حکومت پنجاب محکمہ تعلیم، لاہور

بمطابق مراسلہ نمبر ایس۔او (سی) تعلیم ۴-۸/۷۳ مورخہ ۲۰-۱۱-۱۹۷۴

نظر ثانی شدہ و منظور کردہ قومی ریویو کمیٹی، وزارتِ تعلیم و صوبائی رابطہ (شعبۂ نصاب)
حکومت پاکستان، اسلام آباد

قومی کمیٹی برائے جائزۂ کتبِ نصاب کا تصحیح شدہ

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد کشورِ حسین شاد باد
تُو نشانِ عزمِ عالیشان ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام قوتِ اخوتِ عوام
قوم، ملک، سلطنت پایندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مراد

پائندہ

پرچم ستارہ و ہلال رہبرِ ترقی و کمال
ترجمانِ ماضی، شانِ حال جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذوالجلال

کوڈ نمبر G62 سیریل نمبر 2082

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	تعداد اشاعت	قیمت
مارچ ۱۹۸۲ء	اول	۶۵۰۰۰	۵.۵۵ روپے